سورة الفاتحة

کتابچہ ۱

مؤلف

مولوی محمد ارشاد علی

جملہ حقوق اشاعت بحق مؤلف محفوظ

تفصیلات طباعت

نام کتابچہ	سورۃالفاتحۃ
مؤلف	محمد ارشاد علی مولوی عالم (نظامیہ)
صفحات	٦٧
اشاعت	مارچ ٢٠١٩
قیمت	مُفت
اہتمام	صاحبزادہ محمد طاہر علی
ای میل	islahitohfa@gmail.com

مزید موضوعات

https://islahitohfa.com

ISLAHI TOHFA

تنبیہ

اس کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ دستاویز ایک آن لائن کتاب ہے، اس کتاب کو خصوصی طور پر انٹرنیٹ کے ذریعہ مفت فراہم کرنے کے لئے فارمیٹ اور ڈیزائن کیا گیا ہے۔اس کتاب کو اسی شکل میں بغیر کسی تبدیلی کے، اس کی تقسیم، طباعت، فوٹو کاپی اور الیکٹرونک ذرائع کے ذریعہ اس کی تقسیم اور اس کے مواد کو پھیلانے کی اجازت دیتا ہے۔اس شرط کے ساتھ کہ اس سے مالی طور پر نفع حاصل نہ کی جائے۔

ترتیب

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ.. ۵

تَعَوُّذ کے فضائل ۷

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ.. ۷

وحی کی ابتداء.. ۹

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمٰنِ ٱلرَّحِيمِ.. ۱۰

لفظ اللہ.. ۱۱

لفظ رحمٰن ۱۱

لفظ رحیم.. ۱۱

خوف اور محبت ۱۱

آیت کی تشریح ۱۳

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ.. ۱۴

تحليل.. ۱۴

لفظ اللہ کی تشریح.. ۱۴

اِلٰہ کے ۷ معنی ہیں ۱۵

اِلٰہ پر اَلْ.. ۱۵

سورۃ الفاتحۃ کے ۱۲ نام ۱۶

قرآن مجید میں ۱۰ امور کا ذکر ہے۔ ۱۷

سورہ فاتحہ کے فضائل ۱۸

اَلحَمْدُ ۱۹

لِلّٰہِ ۲۱

الْحَمْدُ لِلّٰہِ.. ۲۱

جملہ اسمیہ اور اسمیہ جملے کا فرق.. ۲۱

رَبٌّ ٢٢

الْعَالَمِينَ ٢٣

کاتبان وحی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ٢٨

قرآن میں آیات ٢٨

رحمت کی تقسیم ٢٩

رحمٰن کی صفت کا تقاضہ ٢٩

مختلف مذاہب میں خدا کے نام ٣٤

انصاف کے دن کا حاکم ٣٥

دنیادار العمل اور اسکے اختتام پر دار الجزاء ٣٥

مالک کون ہوا؟ ٣٦

ملکیت کس پر ہو گی اس کا ذکر نہیں کیا گیا ٣٦

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ٣٦

توحید کیا ہے ٣٨

عبادت کی وضاحت ٤١

عبادت کی قسمیں ٤٢

مشرکین کی عبادت کیا تھی ٤٣

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ٤٦

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ ہم کو سیدھا راستہ چلا ٤٨

صراط پر جو لام ہے وہ عہد کا ہے ٤٨

ہدایت کی پہلی قسم ٥٠

ہدایت کی دوسری قسم ٥١

ہدایت کی تیسری قسم ٥١

صراط مستقیم کون سا راستہ ہے۔ ٥٢

﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴾........................ ٥٣
آمین........................ ٥٥
منظوم ترجمہ - سورۃ الفاتحۃ........................ ٥٦
ترجمہ سورۃ الفاتحہ........................ ٥٧
وَلَا الضَّالِّينَ ہجے کرنیکا طریقہ........................ ٥٨
تحلیل سورۃ الفاتحہ........................ ٥٨
سورۃ الفاتحۃ کے علوم قرآن پر مشتمل ہونے کا بیان........................ ٦٠
الفاتحہ........................ ٦٢
زمانہ نزول........................ ٦٢
مضمون........................ ٦٣
منظوم ترجمہ........................ ٦٣
نظر تحریر، راقم کی طرف سے قلم برداشتہ ہے........................ ٦٤
دین کا علم کیا ہے؟........................ ٦٤
قرآن کو سمجھ میں مدد گار علوم........................ ٦٥

ISLAHI TOHFA

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيم

سورة الفاتحة

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ

میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے

تحلیل

﴿أَعُوذُ﴾: فعل مضارع والفاعل ضمیر "أنا"، ﴿بِ﴾: حرف جارّ، ﴿اللَّهِ﴾: مجرور، دونوں مل کر متعلق اول ہوا أَعُوذُ کا ﴿مِنْ﴾: حرف جار، ﴿الشَّيطَانِ﴾: موصوف، ﴿الرَّجِيمِ﴾: صفت، دونوں مل کر مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ثانی ہوا فعل أَعُوذُ کا۔ أَعُوذُ فعل اپنے فاعل اور دو متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

(۱) شیطان کی دشمنی، اسکے وسوسوں اور اس کی بدخواہی اور اسکے بہکاؤں سے بچنے کیلئے اللہ نے اپنے بندوں کو دشمن کی دشمنی سے آگاہ کر دیا ہے۔

(۲) اسکے پڑھنے سے منھ کی اعتقادی ناپاکی دور ہوتی ہے اور پھر دل اور زبان، اللہ کے کلام کو پڑھنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

(۳) شیطان ایسا دشمن ہے کہ انسان اسکے مقابل عاجز ہے۔ چنانچہ اللہ کی پناہ میں آنا گویا شیطان کے مقابل اپنی عاجزی کا اظہار ہے۔

(۴) شیطان کھلا دشمن نہیں ہے کہ اس سے مقابلہ آسان ہو بلکہ چھپا دشمن ہے وہ انسان کو دیکھ سکتا ہے لیکن انسان اسکو دیکھ نہیں سکتا۔

(۵) انسانی دشمن کا مقابلہ، احسان سے، اچھے سلوک سے، اچھے برتاؤ سے ہو سکتا ہے۔ لیکن شیطان اچھے سلوک سے قابو میں نہیں آتا۔

(۶) کافر اگر مؤمن کو قتل کر دے تو مؤمن شہید کہلاتا ہے اور اگر مؤمن، باطنی دشمن سے مارا جائے تو مؤمن مردود کہلاتا ہے۔

(۷) کافر کا مارا شہید ہو کر اجر کا مستحق ہوتا ہے اور شیطان سے شکست کھایا ہوا ہلاک اور برباد ہو جاتا ہے۔

(۸) قرآن شریف کی تلاوت بزرگ ترین عبادت ہے اس میں غور و فکر کرنے سے اللہ سے قریب کرنے کے ذرائع ہیں یہی باتیں شیطان کو زیادہ ناپسند ہیں۔

(۹) شیطان کا آدمؑ پر زور نہ چل سکا تو عورت حواؑ کو بہکایا پھر عورت نے شوہر کو بہکایا۔

﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا﴾ [النساء: ٧٦] یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔

﴿إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾[يوسف: ٢٨] اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے (بھاری) ہوتے ہیں۔

(۱۰) قرآن کی تلاوت شروع کرتے وقت تعوّذ اور تسمیہ پڑھنا سنت ہے۔

﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾[النحل: ٩٨]

اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو

﴿وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾[فصلت: ٣٦]
اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو خدا کی پناہ مانگ لیا کرو۔

تَعَوُّذ کے فضائل:-

حدیث: اگر دن میں ۱۰ بار پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اس سے شیطان کو دفع کرتا رہتا ہے۔

(۱)اسکے پڑھنے سے غصہ آدمی سے دور ہو جاتا ہے۔ شیاطین ، انس و جن یا کسی موذی جانور کا خوف ہو تو اس سے دفع ہوتا ہے۔

(۲) اسکے پڑھنے سے اللہ کی مدد طلب کرنا ہے اور اللہ کی قدرتوں کا اقرار کرنا ہے۔

(۳) شیطان انسان کو دیکھتا ہے لیکن انسان اپنے دشمن کو نہیں دیکھ سکتا۔

(۴) شیطان کافروں، مشرکوں اور بے ایمانوں کا مددگار ہے۔ اللہ کی عبادت سے دور کرنے، شرک میں مبتلا کرنے، آپس میں اختلافات کے ذریعے تعلقات کو توڑنے، حرام میں الجھانے، پاکیزگی کو ختم کرنے، شرک میں مبتلا کرنے اور مکاری سے چالاکی سے خیر سے ہٹانے اور شرک کو خیر بنا کر دکھانے میں وہ ماہر ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اَشْرَعُ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ فعل مقدر پر تقدیم مفعول، مفید تخصیص ہے۔

شرح تفصیلی:

اَشْرَعُ فعل با فاعل، الباء حرف جر، اِسْمِ مضاف، اللہ موصوف

الرحمٰن صفت اول ، الرحیم صفت ثانی، موصوف اپنی دو صفتوں سے ملکر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ سے ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق فعل محذوف اَشْرَعُ، فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔

نوٹ : بِسمِ اللہ جس فعل کا مبتدا ہو گا وہی فعل اس میں مقدر مانا جائیگا۔ اگر بِسمِ اللہ قرات کے وقت کہی گئی تو اَقْرأُ مقدر ہو گا اور اگر کھانے کے وقت کہی گئی تو اَکُلُ فعل مقدر ہو گا۔

اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ	= ال - الا – ہ =	٦
الرحمن	=	٧
الرحیم	=	٦
		١٩

لفظ اسم قرآن میں ١٩ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ بِسْمِ ٣ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ اَلرَّحمٰن قرآن میں ٥٧ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ اَلرَّحِیم ١١٤ مرتبہ آیا ہے۔ لفظ اللہ قرآن میں ٢٦٩٧ مرتبہ کیا ہے۔

حضرت خالد بن سعیدؓ پہلے صحابی ہیں اسلام قبول کرنے میں ان کا پانچواں نمبر ہے۔ اُنھوں نے کاتب وحی کی حیثیت سے پہلی مرتبہ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھا تھا۔

وحی کی ابتداء

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وحی کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ رسول ﷺ سچے خواب دیکھتے اور آپ کو اسکے مطابق واقعہ پیش آتا۔ اسکے بعد آپ کو مخلوق سے الگ ہو کر عبادت کا تقاضہ دل میں ہوا جس کے لئے آپ نے غار حرا کو منتخب فرمایا۔ یہ غار مکہ سے کچھ دور ایک پہاڑ پر ہے جسکو جبل النور کہتے ہیں آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے، ضروری توشہ ساتھ لاتے اور ختم ہونے پر حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لاتے اور پھر کچھ دنوں کیلئے توشہ لیکر جاتے۔ اُس وقت آپکی عبادت، محض مخلوق سے دوری اور اللہ کی طرف توجہ خاص اور تفکّر کی تھی۔ اس دوران وحی کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس آیا اور آپ سے پڑھنے کو کہا آپ نے فرمایا میں پڑھنے والا نہیں ہوں (مَا اَنَا بِقَارِی) اس جواب پر جبرئیلؑ نے آپ کو اپنے آغوش میں لیکر دبایا، مجھے تکلیف محسوس ہوئی یہ عمل تین مرتبہ ہوا پھر کہا ﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴾ ﴿ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴾ ﴿ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴾ ﴿ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴾ ﴿ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴾[العلق:۱ - ۵]

آپ ان پانچ آیات کو لیکر گھر واپس آئے، گھبرائے ہوئے تھے۔ خدیجہؓ سے فرمایا "زَمِّلُونِی - زَمِّلُونِی" مجھے ڈھانپو یہ گھبراہٹ جبریلؑ کے خوف سے نہیں تھی بلکہ اسکے ذریعے نبوت اور رسالت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ ان پانچ آیات کے بعد ایک مدّت تک وحی نازل نہیں ہوئی اس کے بعد سورہ مُدَّثِر کی چند آیات نازل ہوئیں پھر اسکے بعد مکمل سورت سورۃ الفاتحہ نازل ہوئی۔

سورۃالفاتحہ جو کہ قرآن کریم کا مطلع ہے اور قرآن کے تمام مقاصد پر مشتمل ہے۔امام بیہقی نے اسبات کو اپنی کتاب شعب الایمان میں بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ۱۰۴ کتابیں نازل فرمائی ہیں اور اُن سب کے علوم کو چار کتابوں "تورات ، انجیل ، زبور اور قرآن" میں رکھ دیے ہیں۔ پھر تورات ، انجیل اور زبور کے علم کو قرآن میں رکھ دیا ہے اور علوم قرآن کو اسکے مُفَصَّل حصے میں امانت رکھاہے اور مُفَصَّل کے جملہ علوم صرف سورہ فاتحہ میں رکھ دیا ہے۔ لہٰذا جو شخص سورۃالفاتحہ کی تفسیر کو معلوم کرے گا وہ گویا کتب منزلہ کی تفسیر سے واقف ہو جائیگا۔

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اُس خدا کے بزرگ اور برتر کا نام لیکر شروع کرتا ہوں جو تمام صفات کمالیہ کا جامع ہے، تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگا وہ تمام عالم کا موجد اور خالق اور واحد و یکتا ہے۔ کیفیت سے، کمیت سے، ہیئت سے، زمان سے، مکان سے پاک ہے۔ اس نے اپنی رحمت سے روحانی، جسمانی نعمتیں ہمکو عطا فرمایا۔ اس کا فیض عام ہے درند، چرند پرند ، حشرات الارض، کافر، مسلم، زندیق و موحد و ملحد سب اسکے پروردہ ہیں۔ لیکن آخرت میں اسکی نعمتوں سے فیض پانے اور اسکی رحمت سے فائدہ اٹھانے والے صرف موحد اور خداپرست مسلمان ہی ہونگے دوسروں کو اس روز اسکی رحمت کی پناہ نہیں ملے گی۔

دنیا میں رحمت عمومی ہے اور آخرت میں خصوصی ہے۔ جس طرح سے خدا کی ذات بابرکت ہے اُسی طرح اس کا نام بھی متبرک ہے۔ اسی وجہ سے بِاللہ نہیں کہا بلکہ بسم اللہ کہا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم میں تین لفظ ہیں اللہ - رحمٰن - رحیم

لفظ اللہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ موجود کو معدوم کرنے والا اور معدوم کو موجود کرنے والا ہے۔ اسکی ذات باکمال اور بے عیب ہے۔

لفظ رحمٰن سے اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ خالق اور موجد ہے تمام عالم کا، اسی طرح تمام عالم اپنی بقا میں اس کی محتاج ہے وہ دنیا کے ہر ذرّے کی پرورش کا ذمّہ دار ہے۔ اسکے دامن رحمت میں سارے عالموں کو پناہ دینے کی گنجائش ہے۔ کافر بھی اُسی کا محتاج اور مؤمن بھی اسی کا محتاج ہے۔

لفظ رحیم تیسرے درجہ میں رحیم کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں رحمانیت سب کیلئے عام ہے اسلئے کہ سب کے سب اس کے محتاج ہیں۔ بالکل اسی طرح اس دنیا کے بعد آخرت میں بھی سب اسکے محتاج ہیں۔ لیکن اسکی رحمت صرف ان ہی کے کام آئیگی جو موحد اور پکے مسلمان ہونگے۔

خوف اور محبت : دنیا کا عام دستور ہے کہ کسی کی فرمانبرداری کے دو سبب ہوتے ہیں یا تو اس سے تکلیف کا اندیشہ ہو یا اس سے فائدہ کی امید ہو، اگر دونوں باتیں یعنی خوف اور امید کو ایک جگہ کرتے ہیں تو وہاں فرمانبرداری کے ساتھ محبت بھی ہوتی ہے کیونکہ صرف خوف سے وحشت اور نفرت جیسی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور صرف امید سے ضرورت، بے باکی وغیرہ۔

اللہ سے جلال ذاتی ظاہر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے۔ اور اس کے بعد رحمٰن اور رحیم جیسے صفات کے تذکرے سے اشارہ ہے کہ بندہ اسی صفات موالی ذات سے محبت کرے۔ تینوں سے مطلب یہ ہے کہ بندہ خدا سے خوف اور امید رکھ کر عمل کرتا رہے۔ دنیا میں انسان دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ طبقہ ہے جو اللہ سے خالص محبت رکھتا ہے اس طبقے کو کسی کے خوف اور لالچ کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ لوگ بلا لحاظ رحمت و غضب صرف محبت الٰہی کی وجہ سے طاعت الٰہی کرنے پر مجبور رہتے ہیں۔ بلکہ احساس محبت بھی ان کو نہیں رہتا بلکہ ایک محویت (خیال میں گم ہونا) ایک فنائیت ان میں رہتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے صرف اللہ کا لفظ کافی ہے۔

دوسرا طبقہ وہ ہے جو ذات محض کے ساتھ محبت ذاتی نہیں رکھتے بلکہ ان لوگوں کی محبت صفاتی ہوتی ہے یعنی انکو اللہ کے نعمتوں کے حاصل کرنیکی امید ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ جلال کبریائی کی طرف مائل ہوتے ہیں اس طبقے کیلئے لفظ رحمٰن اور رحیم ذکر کیا گیا ہے۔

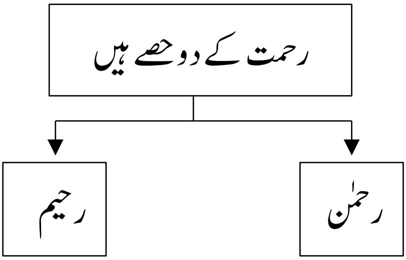

(ا) رحمٰن ہر چیز کی ضرورت پوری کرنا، اسباب حیات مھیا کرنا، مرغوب اور محبوب اشیاء دینا، یہ رحمت کبیرہ ہے۔

(۲) رحیم مخالف اور غیر موافق اشیاء کو دور کرنا، مقصد کے خلاف امور کو دور کرنا اور یہ رحمت صغیرہ ہے۔

بِسۡمِ اللہ سے مقصد یہ ہے کہ ہر چیز میں اثر پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے۔ مسلمان ہر کام اس نام سے شروع کرنا چاہیے۔ مخلوق کو صرف پیدا کرنا ہی اللہ کا کام نہیں ہے بلکہ عمر طبعی تک پہنچانا در اصل اسکے رحم و شفقت کا ایک مظاہرہ ہے۔ اسی طرح انسان اپنی بقا میں دوسری مخلوق پر رحم و کرم کرنے کو لازم کرے۔ جس طرح خالق اپنی ذات کے ساتھ لازم کر لیا ہے۔

(۳) کسی چیز کا مقصد اُس چیز کے وجود سے زیادہ اہم ہوتا ہے۔ ایک طرف انسان کا وجود اور پھر اس وجود کا مقصد ہے۔ تمثیلاً: بستر ہے اور ان کا مقصد آرام ہے۔ اگر بستر کھٹملوں سے بھری ہوی ہو تو آرام حرام ہو جاتا ہے۔ تو بستر بے مقصد ہو جاتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر انسان اپنے پیدائش کے مقصد سے دور ہو جاتا ہے تو مقصد وجود ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے خالق کی رحمانیت کا تقاضہ ہوا کہ مخلوق کو ان کی تخلیق کے مقصد سے واقف کرائے اور وجود کا مقصد وجود سے زیادہ اہم ہوتا ہے اسلئے انسان کے مقصد کو پہلے بیان کیا یعنی تعلیم قرآن کو تخلیق انسان سے قبل جیسے ﴿الرَّحْمَٰنُ﴾﴿عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾﴿خَلَقَ الْإِنسَانَ﴾﴿عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾

آیت کی تشریح:-

قرآن پاک کی سورت، جمع سُوَرٌ ہے۔ قرآن میں لفظ آیات کے حسب ذیل معنی ہیں۔ ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا ۚ إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ﴾

[السجدة: ٢٢]

(۱) وہ نشانیاں جو زمین سے لیکر آسمان تک ہر چیز میں اور کائنات کے مجموعی نظام میں پائے جاتی ہیں ہے۔

(۲) وہ نشانیاں جو انسان کی ابتدا پیدائش اور اس کی ساخت اور اس کے وجود میں پائی جاتی ہیں ہے۔

(۳) وہ نشانیاں جو انسان کے وجدان میں اسکے لا شعور میں اور تحت لا شعور میں اور اسکے اخلاق میں پائی جاتی ہیں۔

(۴) وہ نشانیاں جو انبیاء کے ذریعے اللہ نے بھیجے۔ اور تاریخی تجربات بھی نشانیاں ہیں۔

سُوْرَةُ الْفَاتِحَةِ

سُورَةُ الْفَاتِحَة مَكّيّةٌ وَّ هِىَ سَبعَ آياتٍ (مکّہ میں نازل ہوئی اور اس کی سات آیات ہیں۔)

تحلیل -:- سورۃ مضاف، اَلْفَاتِحَةُ مضاف الیہ دونوں مل کر مبتدا، مَكّيَّةٌ خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اور "وَ" عاطفہ "هِىَ" مبتدا، سَبعَ ممیّز آياتٍ تمیز، دونوں ملکر خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا، معطوف علیہ اور معطوف ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

لفظ اللہ کی تشریح :- لفظ اللہ کا تثنیہ اور جمع نہیں آتا کیونکہ اللہ واحد ہے، اسم ذات ہے۔ لفظ اللہ یا تو عربی ہو گا یا غیر عربی ہو گا۔ اگر عربی ہے تو دو صورتیں ہیں۔ یا تو

مشتق ہو گا یا علم۔ اگر مشتق ہے تو پھر دو صورتیں ہیں اسم مشتق ہو گا یا صفت مشتق ہو گا۔

اِلٰہ کے ۷ معنی ہیں :- (۱) اصل ہونا ہے (۲) خود سے موجود ہونا (۳) چھپا ہوا ہونا (۴) حیرت (۵) حاجت روا (۶) حکمران (۷) عبادت کیلئے لائق ہونا۔

اِلٰہ پر اَلْ :- اِلٰہ پر اَلْ لگانے سے اِلْاَلٰہ تھا پھر تخفیفاً الف گرادیا گیا اور "ل" "ل" میں مدغم ہو گیا تو اللہ ہو گیا۔ یہ اسم ذات اور اسم علم ہے۔ اس طرح اللہ میں اَلْ تعریفی نہیں ہے بلکہ بدل کا ہے۔ اور اللہ اسم علم ہے خاص اسی کیلئے اور اَلْاَلٰہ کے معنی معبود بر حق ہے۔ (قرآن میں لفظ اللہ ۲۶۹۷ مرتبہ آیا ہے) اللہ پر جو اَلْ ہے وہ تفخیم اور تعظیم کی غرض سے، تعریف کو زیادہ کرنے والا ہے۔

اللہ دراصل "الف" "لام" اور "ہ" کا مادہ ہے اور مختلف شکلوں میں مشتق ہوا ہے۔ السریانیة زبان کا اَلَاھِیا، العِبْرِیَّة کا اَلُوہ اور عربی کا اِلٰہ ہے اور بلاشبہ یہی اِلٰہ ہے جو حرف تعریف کے بعد اللہ ہو گیا۔ اور تعریف نے اسے صرف خالق کائنات کیلئے مخصوص کر دیا ہے۔

پس خالق کائنات کیلئے یہ لفظ اسلئے اسم قرار پایا کہ اس بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تَحَیُّر اور ادراک کی عاجزی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ سے "اَ" نکال دے تو "لِلّٰہ" ہو گا اور "لِ" نکال دیے تو "لہٗ" ہو گیا اور "ل" نکال دیے تو "ھُ" رہ گیا، ھو کے معنی بھی تصوف میں ذات الٰہی ہے۔

لفظ رحمٰن، بہ نسبت رحیم کے اَبْلَغ ہے، کیونکہ رحیم کا لفظ لطف اور نرمی کا مظہر ہے جس طرح سے کہ رحمٰن کا لفظ فخامت اور عظمت کا مظہر ہے۔

فَتَحَ - يَفْتَحُ - فتحاً = کھولنا۔ ابتدا کرنا۔ فاعل مذکر

فَاتِحَةٌ اسم فاعل واحد مونث، اَلْفَاتِحَةُ وہ ابتداء کرنے والی سورت۔

فَاتِحَةُ الْكِتَاب کتاب کی ابتدا کرنے والی سورت، قرآن کی ابتدا کرنے والی سورت۔ جو سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس سے قبل نامکمل آیات جو نازل ہوئی ہیں وہ سورۃ العلق کی ۱ - ۵ آیات، سورہ المزمل اور سورہ المدثر میں شامل ہیں۔

سورۃ الفاتحۃ کے ۱۲ نام

امام قرطبی رحمہ نے فرمایا کہ اس سورت کے جملہ ۱۲ نام ہیں۔

۱. فاتحۃ الکتاب: اس کا مطلب ہے "کتاب کی ابتدا" یا "کتاب کا آغاز"۔

۲. ام القرآن: اس کا مطلب ہے "قرآن کی ماں"۔

۳. ام الکتاب: اس کا مطلب ہے "کتاب کی ماں"۔

۴. کافیۃ: اس کا مطلب ہے "کافی" یا "کامل"۔

۵. وافیۃ: اس کا مطلب ہے "مکمل" یا "پوری"۔

۶. شافیۃ: اس کا مطلب ہے "شفا دینے والی"۔

۷. سبع مثانی: اس کا مطلب ہے "سات بار دہرائی جانے والی"

۸. سورۃ الحمد: اس کا مطلب ہے "حمد و ثناء کی سورت"

۹. سورۃالدعا: اس کا مطلب ہے "دعا کی سورت"

۱۰. سورۃالصلوۃ: اس کا مطلب ہے "نماز کی سورت"

۱۱. سورۃکنز: اس کا مطلب ہے "خزانے کی سورت"

۱۲. سورۃالشفاء: اس کا مطلب ہے "شفا کی سورت"

قرآن مجید میں ۱۰ امور کا ذکر ہے۔

(۱) ذات (۲) صفات (۳) افعال (۴) ذکر قیامت (۵) تزکیہ نفس (۶) تخلیہ (۷) ذکر اولیاء (۸) ذکر اعداء یعنی دشمن (۹) کفار سے جہاد (۱۰) احکام شرع

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾	(۱) ذات
﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾	(۲) صفات
﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾	(۳) صفات
﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾	(۴) ذکر قیامت۔ افعال
﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾	(۵) تزکیہ نفس
﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾	(۶) تخلیہ
﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾	(۷) دعا۔ احکام شرع
﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾	(۸) ذکر اولیاء
﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ﴾	(۹) ذکر اعداء یعنی دشمن
﴿ وَلَا الضَّالِّينَ﴾	(۱۰) کفار سے جہاد

ISLAHI TOHFA

سورہ فاتحہ کے فضائل :-

(۱) سورہ فاتحہ بندے کی جانب سے ایک دعا ہے اور پورا قرآن مجید جواب دعا ہے۔

(۲) سورہ فاتحہ، قرآن مجید کی تعلیمات بِالتَّفصِیل کا اختصار ہے۔

(۳) قرآن مجید میں صرف تین مضامین کو بار بار ذکر کر دیا گیا ہے۔

(۱) توحید (۲) رسالت (۳) آخرت

(۴) دعا کی ابتداء، اللہ کی خوبیوں کو بیان کرنے سے، احسانات کو گنانے سے، اور اس کے مراتب کا اعتراف کرنے سے ہوئی۔ اور تعریف اسلئے کہ وہ ہمارا محسن ہے اور خالق کے مقابل، مخلوق قابل تعریف نہیں ہے۔ یہ سورہ فاتحہ کی ابتدائی تین آیات میں ہے۔

(۵) سورہ فاتحہ کی درمیانی ایک آیت میں دعا اور حمد دونوں مشترک ہیں۔ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

(۶) سورہ فاتحہ کی آخری تین آیات میں بندہ کی طرف سے دعا اور درخواست ہے۔

(۷) سورہ فاتحہ میں کلمات کی تعداد (۲۷) اور حروف (۱۴۰) ہیں۔

نوٹ۔ قرآن کا پڑھنے والا ایسا ہو کہ اسکو طلب ہو ہدایت کی اور جستجو کی اور خدا کو عِلم کا سر چشمہ جانے گویا سورہ فاتحہ یہ دعا ہے کہ اے اللہ تو میری رہنمائی فرما۔ اسکے جواب میں پروردگار پورا قرآن بندے کی رہنمائی کیلئے نازل کر دیا۔ یہی وہ ہدایت ہے جو بندہ چاہتا ہے۔

(۸) جناب ابی سعد بن معلّیؓ سے روایت ہے کہ حضرت رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ دیکھوں میں تمکو مسجد سے باہر جانے سے قبل قرآن کی ایک اہم سورت

ISLAHI TOHFA

بتلا دونگا آپ میرا ہاتھ پکڑ کر چلے پھر آپ نے فرمایا کہ سورت الحمد ہے جسکی سات آیات ہیں۔

(۹) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنخضرت صلعم کے پاس جبرئیل تھے کہ ایک فرشتہ آسمان سے نازل ہوا اور کہا کہ یا رسول اللہ خوش خبری ہو کہ آپ کو خدا نے دو نور عطا کیے جو آپ سے قبل کسی نبی کو نہیں ملے۔ ایک سورۃ الفاتحہ اور دوسرا سورۃ البقرۃ

(۱۰) ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ [الحجر: ۸۷] اور ہم نے تم کو سات (آیتیں) جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورۃ الحمد) اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔

(۱۱) سورۃ فاتحہ ایک خوبصورت مقدمہ (تمہید ہے) اس میں فطرت انسانی کی پیاس اور صراط مستقیم کی ضرورت کی تکمیل کی گئی ہے ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اور اسکے جواب میں ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ﴾ یعنی یہ کتاب فطرت انسانی کی پیاس بجھانے والی کتاب ہے انسانی ہدایت کی ضرورت کا علاج ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آتا ہے فَهَذَا لِعَبْدِي وَلِعَبْدِي مَا سَأَلَ۔ (یعنی یہ میرے بندے کیلئے ہے اور میں نے دیا بندے کو جو اُس نے طلب کیا) مختصر یہ کے انسانی عقل اور انسانی فطرت دونوں ہدایت اور رہنمائی کے محتاج ہیں۔ بہت سی قرآنی آیات ایسی ہیں جن میں غور کرنے سے ایمان میں اضافہ ہونا لازم و ملزوم ہے۔

اَلحَمْدُ سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں۔ دنیا میں جہاں کہیں کسی چیز کی تعریف کی جاتی ہے وہ در حقیقت اللہ ہی کی تعریف ہے کیونکہ مخلوق کی تخلیق اسی کی طرف

سے ہے۔ سورہ فاتحہ دُعا ہے لیکن دعا کی ابتداء اُس ہستی کی تعریف سے کی جا رہی ہے جس سے دعا مانگنا چاہتے ہیں۔

دُعا سے قبل اسکے احسانات، خوبیوں اور اسکے مرتبہ کا اعتراف کرو، کسی کی تعریف بھی صرف دو اعتبارات سے کی جاتی ہے ایک یہ کہ وہ ہمارا محسن ہو یا خود کوئی حُسن و خوبی رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ میں ساری خوبیاں ہیں اور اسکے ہم پر لاکھوں احسانات ہیں۔ اسلئے ہماری قدر شناسی اور احساس شناسی کا تقاضہ بھی ہے کہ ہم اسکی تعریف میں زندگی گزاریں۔ ساری تعریفیں صرف اللہ ہی کیلئے ہے مخلوق پرستی گناہ ہے کیونکہ شکل، حُسن وخوبی، کمال قدرت، سب کا سرچشمہ وہی ہے۔ چونکہ وہ خالق کمال ہے اسلئے پرستش اسی کی ہے۔ عبادت اسی کی، احسان مندی اسی کی، نیاز مندی اسی کی، شکر گزاری اسی کی ہونی چاہیے۔

لفظ اللہ ذات ہے اور لفظ حمد صفت، لیکن صفت کو ذات پر مقدم کیا اہتمام کی وجہ سے، الحمد میں "اَلْ" جنسیہ ہے یعنی جنس تعریف کیلئے ہے اور مصدر پر "اَلْ" کا داخل ہونا اصولاً جنسیت ہی کیلئے ہوتا ہے۔ اوصاف اختیاری کی وجہ سے کسی کی مدح کی جاتی ہے۔

نوٹ :- حمد کسی نعمت یا صفت کی بناء پر ہوتی ہے لیکن یہاں کسی نعمت یا کسی صفت کا ذکر نہیں ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں اُن کا احاطہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ ﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ﴾[النحل: ١٨] اور اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو۔ انسان اگر سارے عالم کو

چھوڑ کر اپنے ہی وجود پر نظر ڈال لے تو معلوم ہو گا کہ اس کا وجود ایک عالم اصغر ہے۔

لِلّٰہِ - میں لام اختصاص ہے جیسے قُلْتُ لِلْوَلَدِ۔ میں نے لڑکے سے کہا۔ (حمد - یَحْمَدُ = حَمْداً = فضیلت کی بناء پر تعریف کرنا، حَامِدٌ تعریف کرنے والا، مَحْمُودٌ اسم مفعول، تعریف کیا ہوا، حَمْدٌ تعریف۔

الْحَمْدُ لِلّٰہِ -اصل میں حَمِدْتُ حَمْدًا لِلّٰہِ تھا۔ جملہ فعلیہ۔

جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث کیلئے ہوتا ہے اور یہاں پر مقام تعریف ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ استمرار اور دوام ہو اور یہ تقاضہ جملہ فعلیہ سے پورا نہیں ہوتا۔ اسلئے اسکی تحلیل کی گئی۔

اوّلاً حَمِدْتُ کو حذف کیا گیا اب حَمْدًا رہ گیا، حَمْدًا پر اَلْ داخل کیا گیا۔ پھر الْحَمْدَا لِلّٰہِ ہو گیا۔ اب مبتدا ہونیکی وجہ سے مرفوع کیا گیا تو الْحَمْدُ لِلّٰہِ ہو گیا یہ جملہ اسمیہ ہے۔ جملہ اسمیہ کا ہونا مقام کے اعتبار سے مناسب ہے (اگر صفت کی کثرت کو ظاہر کرنا ہو تو بجائے صفت کے مصدر استعمال کرتے ہیں۔ جیسے الْحَمْدَا لِلّٰہِ

حدیث -"أفضل الذكر: لا إله إلا الله، وأفضل الدعاء: الحمد لله"

جملہ اسمیہ اور اسمیہ جملے کا فرق :-

جملہ اسمیہ وہ جملہ ہے جو اصل میں جملہ اسمیہ تھا کہ اسکے شروع کا جز اسم ہو۔

جیسے اللّٰہُ رَحِیم - إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ - وغیرہ

لیکن اسمیہ جملہ وہ ہے جو اصل میں جملہ فعلیہ تھا۔ پھر کسی مخصوص غرض کی وجہ سے اسکو جملہ اسمیہ بنایا گیا ہو۔

جیسے الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینَ کہ یہ دراصل جملہ فعلیہ تھا کہ اسکی اصل اَحْمَدُ اللہ حمداً تھا۔ فعل "اَحْمَدُ" کو حذف کیا گیا اور مصدر "حَمْدًا" کو اسکی جگہ رکھنے سے حَمْداً لِلّٰہِ ہوا۔ (حَمْدًا مصدر کو پیش دیگر "اَلْ" لگایا گیا تو "حمداً" سے "اَلْحَمْدُ" ہوا۔ (حَمِدَ ـ یَحْمَدُ = حمداً = محمداً تعریف کرانا)

الحَمْدُ - مبتدا، لِلّٰہِ - الام حرف جر، اللہ (مجرور) مبدل منہ، رَبِّ مضاف، اَلْعَالَمِیْنَ مضاف الیہ، دونوں ملکر بدل اوّل، اَلرَّحمن، بدل ثانی، الرحیم بدل ثالث، مَالِکِ مضاف، یَوْمِ مضاف الیہ و مضاف، الدِّینَ مضاف الیہ، (الدِّینَ مضاف الیہ اپنے مضاف یَوْم سے ملکر مضاف الیہ ہوا، مَالِکِ مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر بدل رابع ہوا۔

رَبٌّ - اصل میں رَابِبٌ تھا کثرت استعمال کیوجہ سے الف گر گیا اور رَبَبٌ ہو گیا پھر قاعدہ یہ پایا گیا کہ اگر دو حروف صحیح ایک جنس یا ایک مخرج کے جمع ہوں اور وہ دونوں متحرک ہوں تو پہلے کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کریں چنانچہ رَبْ ـ بَ = رَبٌّ ہو گیا۔ رَبَّ ـ یَرُبُّ = رَباًّ مالک ہونا۔ رَباًّ اصل میں مصدر ہے پھر مصدر کو بمعنی صفت استعمال کیا جانے لگا اور بغیر اضافت کے صرف اللہ کے معنی میں ہو گیا۔ (رَبٌّ اسماء حسنی میں سے ہے)

رَبٌّ ، لفظ کا مادہ "ر" "ب" "ب" ہے جس کا مفہوم پرورش ہے پھر اس سے تصرف کر کے، خبر گیری، اصلاح حال، مالکیت، آقائیت، پرورش کرنا، نشو نما دینا، بڑھانا ہوگا۔

رَبٌّ مصدر ہے اور معنی میں اسم فاعل کے ہے یعنی تربیت کرنے والا۔ اللہ تعالیٰ ان سارے معنوں میں کائنات کا رب ہے۔ اگر فعل کی کثرت ظاہر کرنا ہو تو یا فاعل کی کثرت ظاہر کرنا ہو تو بجائے فعل کے مصدر استعمال کرتے ہیں۔

رَبٌّ کے کئی معنی ہیں ۔ (۱) مالک (۲) آقا پرورش کرنیوالا (۳) درجہ بہ درجہ تربیت کرنے والا (۴) اصلاح کرنے والا (۵) خبر گیری کرنے والا (۶) معبود (۷) فرمانروا (۸) حاکم (۹) آگے بڑھانے والا (۱۰) حفاظت کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ ان سارے معنوں میں کائنات کا رب ہے۔ اگر فعل کی کثرت ظاہر کرنا ہو تو بجائے فعل کے مصدر استعمال کرتے ہیں۔ رب العالمین۔

الْعَالَمِينَ :-

عَلِمَ - يَعْلَمُ جاننا، سمجھنا، پہچاننا = عِلْماً مصدر

عَلَمَ - يَعْلِمُ = عَلْماً = نشان کرنا، علامت لگانا، عَلَمٌ = نشان - علامت

الْعَالَمُ = ساری مخلوق، عَالَمُوْنَ سے منصوب ہو کر عَالَمِيْنَ ہوا۔

اَلْعَلَامَةُ نشان - علامات جمع - (اَلْعَلَامَةُ سے مشتق عَالَمْ ہے)

الْعَلَمُ جھنڈا - اَعْلَامُ جمع ہے۔

حضرت ابو سعید خدری سے منقول ہے کہ عَالَم چالیس ہزار ہیں اور یہ دنیا مشرق سے مغرب تک ایک عالم ہے۔ حضرت مقاتل امام التفسیر سے منقول ہے کہ عالم ۸۰ ہزار ہیں اور ان سب عالموں کی تربیت، پرورش، سب رَب کے ذمہِّ ہے۔ان سب کو خادم کر دیا اور اشرف المخلوقات کو خدمت لینے والا کر دیا۔ عالمؐ کو جمع اسلئے لا یا گیا کہ اسکی ہر قسم اپنی جگہ ایک مستقل عالم ہے۔

جیسے :- عَالَمُ الْاِنْسَانِ ،عَالَمُ الْمَاءِ ،عَالَمُالنَّارِ وغیرہ

عَلَمٌ یعنی نشان اور عَالَمٌ یعنی علم جاننے کا آلہ ۔ دنیا ۔ اللہ کے وجود کی دلیل یعنی نشانی یہ دنیا ہے جو علامت ہے۔عَالَمٌ وزن کے لحاظ سے اس چیز کو کہتے ہیں جو علم جاننے کا آلہ ہے۔ جیسے خَاتَمٌ اس چیز کو کہتے ہیں جو مہر کرنے کا آلہ ہے، اس اعتبار سے کائنات چونکہ اللہ کے کمال قدرت اور جمال صنعت کا مظہر ہے اسلئے اسکو عالم کہتے ہیں۔

مخلوق سے خالق کا پتہ، قدرت سے قادر کا پتہ ، صنعت سے صانع کا پتہ، چاندنی سے چاند کا پتہ، دھوپ سے سورج کا پتہ ، خوشبو سے پھول کا پتہ ، نقش پا سے، انسان کے وجود کا پتہ ،اسطرح آثار کائنات شاہد ہیں کہ ان کا کوئی بنانے والا ہے۔

آثارِ کائنات کی عظمت سے، خالق کائنات کی عظمت کا پتہ، تخلیق کی عظمت سے خالق کی بزرگی کا پتہ چل جاتا ہے۔

نگاہ حقیقت میں کوئی جُز بغیر کُل کے، کوئی قطرہ بغیر دریاء کے اور کوئی شعاعِ نور بغیر آفتاب کے نمود نہیں کر سکتی۔

خالق کی خَلَّاقِی کی شان یہ ہے کہ ایک جسم کے دونوں ہاتھ کے نشان، ایک چہرے کے دو رُخ، اور ایک سر کے دو بال، ایک جیسے نہیں ہوتے اسکی صَنَّاعی میں کمال درجہ کی جِدَّتْ طرازی ہے۔

ہم ایسے اہلِ نظر کو، ثبوتِ حق کے لیے
اگر رَسُول نہ آتے تو، صُبح کافی تھی

نظر آتے ہی نقش پا تیرے
بندگی کا خیال آتا ہے

گُلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

بے یقینی کی زندگی ہم بھی ہوئے تم بھی ہوئے
عکس ماضی کا رُخ تاب کہا سے لاؤں

آثار کائنات کی عظمت سے خالق کائنات کی عظمت کا پتہ ایک عقلی دلیل ہے۔ یہ کائنات اسرار قدرت سے بھری ہوئی کتاب ہے اور رنگا رنگ تصویروں کی خوشنما بیاض ہے جو تصور حقیقی کی نقاشی کا حسین مُرَقَّع (جس میں پیوند لگے ہوں) ہے اس مُرَقَّع میں عجیب و غریب حسین و جمیل، دلکش اور دلکشا، دلرُبا جھلکیاں ہیں

اور نقش و نگار ہیں جس کے آئینے میں خالق کے صفات کی ہلکی عکس آرائیاں نظر آتی ہیں۔

یہ گنبد نیلوفری اس میں آویزاں (لٹکایا ہوا) کروڑوں قندیلیں، یہ کُرّہ ارض اسکے فلک بوس پہاڑ، ان سے ابل تے چشمے، بہتی ندیاں، پُر شور دریا، گل فروش وادیاں، سبزہ زار ڈھلوانیں، سمندر کی ہیبت ناک موجیں اور خوفناک وسعتیں، ہمدان میدان ، لہلہاتے کھیت، جنت نگاہ باغات، ہوا کا محیط بیکراں، لرزہ خیز آندھیاں، ہوش رُبا طوفان، یہہ صحرا، یہہ کوہ دَمَن، یہ عمیق غار، ویران گوشے، یہہ سورج یہہ چاند کی نور، یہہ ستاروں کی تنگ تابی، یہہ گل افشاں چمن، یہہ لالہ وزار، یہہ سحر انگیز مناظر، یہ کائنات اور آثار کائنات پتہ دیے ہیں، اور اپنی زبان حال سے خالق کے وجود پر دلیل ہیں۔ یہ عالم محسوسات اور عالم معقولات کا تقاضہ ہے کہ ان کا خالق ہے۔

جس طرح لفافہ سے مضمون بھانپا جاتا ہے، دیباچہ سے کتاب کی کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے، عنوان سے مقصد سمجھ میں آجاتا ہے، آثار مرض سے حقیقت مرض کا پتہ چلتا ہے۔ تصویر سے حضور کا پتہ ، تحریر سے کاتب کا پتہ ، صفت سے ذات کا پتہ ، عظمت صفت سے عظمت ذات کا پتہ چل جاتا ہے اُسی طرح تخلیق سے خالق کے وجود اور خالق کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔

انسان، ان کے مطالعے میں، ان کے ملاحظے میں، ان کی دلکشی میں غرق ہوا تو ایسا ہوا کہ خالق کو بھلا دیا، قدرت میں گم ہو کر قادر کو بھلا دیا جسکی وجہ سے وہ ایک

لڑکھڑاتا ستارہ ہو گیا جو اپنا مدار کھو چکا ہو، ایک شاخ پژمُردَہ (مرجھایا ہوا) ہے جو تنہ سے کٹ کر گر چکی ہو، ایک پرندے کے پر کی کیفیت ہے کہ ہوا کے تھپیڑوں سے ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر ہو رہا ہے۔

یہ گرفتاری رنگ و بُو ہی ہے جسکی وجہ سے آنکھوں میں یقین کا نور عشق کا سرور نہ رہا، دل نہ تو کسی کی محبت سے مخمور (اپنی دُھن میں سرشار) ہے اور نہ سینہ کسی کی یاد سے معمور ہے۔ مادہ پرستی کی وجہ سے قلب میں برودت، شعلہ زندگی کی افسردگی، پھر اس کے روحانی خلاء پیدا ہو گیا، نہ تو سرمایہ آرزو رہا نہ ذوق جستجو رہا نتیجتاً قلّت فکر، عدم تدبر، خفتہ طبیعت، خدا بینی، خدا پرستی، خدا پسندی اور خدا ترسی کا فقدان (خاتمہ) ہو گیا۔ مجاز میں گم ہو کر حقیقت کو بھلا دیا۔

رذائل فضائل ہو گئے، عیوب فن ہو گئے، غلط رَوی، جہل علمی اور جہلی عملی کا حسن ختم ہو گیا، کلمہ گو، طبیعت کا تابع، حالات کا غلام، معائب و مناقص کو فضائل و محامد تصور کر لیا، جاہلوں سے علم کے سیکھنے کا رجحان عام ہو گیا۔ جاہل کی اُوٹ پَٹانگ کو حقائق اور معارف کا درجہ دے دیا گیا اور انکی بے ڈھنگی گفتگو کو حقیقت سمجھ لیا گیا اور اگر یہیں جُھلا خاموش ہو گئے تو انکی خاموشی کو محذبیت کے خانہ میں ڈالا گیا اسکے برخلاف عالِم اگر مفلس ہے اور اگر وہ بات کرے تو گستاخ کہلایا چپ رہا تو بے وقوف اور اگر سچ کہا تو فساد برپا کرنے والا اور اگر عاجزی اور خاکساری سے پیش آیا تو خوشامد کرنے والا کہلایا۔

جو مذہب میں تہذیب و تزکیہ نفس اور تعمیر سیرت ، مقصد حیات تھا، دولت ایمان، دولت دنیاپر مُرَجّح تھی وہاں پر کیا ہو گیا۔

متاع نفس غالب آگیا اللہ والوں پر
بتوں پر ہو گئے مائل خدا کو بھول بیٹھے ہیں

ماہرؔ یہ جدّتیں یہ ترقی پسندیاں
جتنے بھی عیب تھے وہ ہنر ہو کے رہ گئے

کاتبان وحی (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

کاتبان وحی (۹) تھے۔

(۱) حضرت عثمان غنیؓ (۲) حضرت علیؓ (۳) حضرت ابی بن کعبؓ (۴) حضرت امیر معاوضہؓ (۵) حضرت خالد بن سعیدؓ (۶) حضرت حنظلہؓ (۷) حضرت علاء حضرمیؓ (۸) حضرت آبان بن سعیدؓ (۹) حضرت زید بن ثابتؓ

قرآن میں آیات

قرآن مجید میں کل (۶۶۶۶) آیات شریف ہیں۔

(۱) آیات وعید ایک ہزار (۲) آیات وعدہ ایک ہزار (۳) آیات حکم ایک ہزار (۴) آیات نہی ایک ہزار (۵) آیات مثال ایک ہزار (۶) آیات قصص ایک ہزار (۷) آیات حلال ۲۵۰ (۸) آیات حرام (تحریم) ۲۵۰ (۹) آیات تسبیح (۱۰۰) (۱۰) آیات متفرقہ ۶۶

رحمت کی تقسیم -:-اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ۱۰۰ حصّے کئے جن میں سے ایک حصّے زمین پر نازل فرمایا اور ۹۹ حصّے اپنے پاس رکھ لیے۔ اب جو رحمت کے نقشے مشاہدے میں آتے ہیں وہ حیران کن ہیں، یہ نقشے حشرات الارض میں، پرند میں چرند میں، درند میں، حیوان میں، انسان میں، ہر طرف ہر وقت نظر آتے ہیں۔ پرندوں کا آپس میں جوڑے کی حالت میں اڑنا، بچوں کیلئے اپنے پر بچھانا، انکی پرورش کی خاطر جان جھوکوں میں ڈالنا، جانوروں کا اپنے بچے کی تکلیف کے خیال سے اپنا پیر ہٹا لینا، پرندوں کا اپنے بچوں کو پروں میں چھپا کر محفوظ کر لینا، ماں اپنے گمشدہ بچہ پر حواس باختہ (ہکابکا) ہو جانا، یعقوبؑ کو یوسفؑ کی بُو آنا اپنے وطن کنعان میں جبکہ وہ مصر میں تھے۔ ماں کا بچہ کی بلبلاہٹ پر تن من دھن نثار کر دینا، ایک دوسرے کے خاطر جان نثار و نچھاور کر دینا وغیرہ۔ جب ایک حصّہ رحمت کے یہ نقشے ہوں تو ۹۹ بچے ہوئے حصے جو رحمٰن اور رحیم کی صفت لئے ہیں۔

حدیث: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي

رحمٰن کی صفت کا تقاضہ

سورت التوبہ مدنی سورت ہے۔ سورۃ توبہ پڑھنے سے قبل بسم اللہ پڑھنے سے منع کیا ہے اسلئے کہ اس سورت کی ابتداء میں مشرکین کے ساتھ معاہدہ کے اختتام کا اعلان ہے۔ عرب کے دستور کے مطابق جس تحریر کے ذریعے سے معاہدہ باہمی کو ختم کیا جاتا تھا اس سے قبل، اللہ کا نام نہیں لکھا جاتا تھا، کیونکہ اللہ کا نام امان کی نشانی تھی تاکہ کفار سمجھ جائیں کہ چار ماہ بعد کوئی معاہد نہیں رہیگا۔

کسی چرند یا پرند یا جانور کو ذبح کرنا ہو تو اللہ کا نام لینے کا حکم ہے نہ کہ الرحمٰن اور الرحیم صفات کا۔ کیونکہ ذبح کے ساتھ الرحمٰن اور الرحیم کے قول میں مناسبت اور موزونیت نہیں رہتی۔ چنانچہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ کے بجائے بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُ اَكْبَر کہا جاتا ہے۔

اسکی رحمت ہی کا تقاضہ ہے کہ بے مانگے عطا کرتا ہے، بے حساب عطا کرتا ہے، کئی نعمتیں دے کر ایک شمار کرتا ہے، اگر بندہ اسکے جواب میں ایک نیکی کرتا ہے تو اسکو ۷۰۰ درجہ زیادہ کر دیا جاتا ہے تاکہ اس طرح وہ اعمال کی زیادتی میں شمار ہو کر اسکو جنت کا مستحق بنا دے۔

کبھی عذاب کی شکل میں رحمت ہوتی ہے۔ جیسے دنیوی آفات، مصائب بیماریاں، مشکلات، یہ عذاب الٰہی نہیں ہیں، بلکہ رحمت ہے۔ اس اعتبار سے کہ بڑے عذاب سے ڈرانے کیلئے جگایا جاتا ہے جیسے کسی بے خبر کو جو نیند میں ہو اور سانپ اسکے قریب ہو تو اسکو آہستہ بستر کے ساتھ ہی گھسیٹ لیا جاتا ہے ایسا گھسیٹنا رحمت نہیں ہے ایسا گھسیٹنے سے نیند متاثر ہوتی ہے۔ آدمی نیند سے اچھل بھی پڑتا ہے اور گھسیٹنے سے کسی قدر تکلیف بھی ضرور ہوتی ہے لیکن یہ عمل شفقت و محبت ہوتا ہے اور ہلاکت سے بچانے کی ایک تدبیر ہوتی ہے۔

الٹی سمجھ کسی کو بھی ایسی خدا نہ دے
دے آدمی کو موت مگر یہ ادا نہ دے

﴿حم﴾﴿تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ یہ کتاب اس اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہے جو زبردست، بڑا جاننے والا ہے۔

شفقت، محبت اور ہمدردی کا تقاضہ داعی ہوا کہ ہدایت کا ایک دستور دے دیا جائے، نمونے کے ذریعے اسکی ایک صحیح اور مستند عملی تصویر متعین کی جائے چنانچہ رسالت کا مقصد یہی ہوا۔

تمثیلًا:- باپ اپنی اولاد کے نام خط بھیجے تو کس جذبے نے اسکو ایسا کرنے پر مجبور کیا اور کیا مضمون اور کیا ہدایات اُس میں تھیں۔ وہ کیا جذبہ تھا جسکی بناء پر خط پر خط، ہدایات پر ہدایات اور نصیحت پر نصیحت کی جارہی ہے اسکے پیچھے جو جذبہ ہے وہ جذبہ شفقت، جذبہ ہمدردی، جذبہ محبت ہی تو تھا۔ خواہ ایسا عمل ابراہیمؑ اپنی اولاد کے ساتھ کرے، خواہ لقمانؑ اور انکی اولاد ہو، خواہ یعقوبؑ یوسفؑ کو کرے خواہ پیغمبر اپنی اُمّت کو کرے کیونکہ رسول، اُمّت کے حق میں روحانی باپ ہوتا ہے۔

قرآن مجید میں رحمٰن کا لفظ ۵۷ مرتبہ اور رحیم کا لفظ ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے۔ جنگ اور جہاد میں مشرکین کے ساتھ قتال کیا جاتا ہے تو نعرہ تکبیر کی گونج اور جہاد کی آیات کا ورد ہوتا ہے۔ یہاں پر مؤمن، اللہ کے خصوصی صفات کا مظہر ہوتا ہے یعنی دین وحق کے بارے میں شدّت اور کفر پر غضب، مؤمن کی صفات ہو جاتی ہیں۔

قہّاری و غفّاری و قدّوسی و جبروت

یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

پیدائش سے دوران آخرت تک، رحمت کے نقشے ہیں۔

حدیث قودسی :- إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي

سَبَقَتْ رَحْمَتِي عَلَى الْغَضَبِ

رحمت کو عذاب پر، قرآن کے بیشتر مقامات پر مقدم کیا گیا ہے۔ جسکی بنیاد یہی حدیث قدوسی ہے۔

(۱) بُلوغیّت سے قبل کے گناہ قابل گرفت نہیں۔

(۲) بالغ ہونے کے بعد کفر کی حالت میں زندگی گزاری اور دوران زندگی دنیا بھر کے گناہ کیا لیکن زندگی ہی میں ایمان کی دولت نصیب ہو گئی تو سارے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ گویا ایمان، گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

(۳) ایمان لانے کے بعد عذر شرعی کی بناء پر بعض اعمال ترک ہوتے ہیں جسے موسلا دھار بارش، گھٹاٹوپ اندھیرا، شدت کا جاڑا، چوری کا خوف وغیرہ ہو تو جماعت کی نماز ترک کر کے گھر میں نماز پڑھے۔ اسی طرح روزہ کیلئے مسافرت یا بیماری، اسی طرح دیگر اعمال یہاں تک جان بچانے کیلئے حرام کا حلال ہو جانا وغیرہ اس میں عذر کی بناء پر اعمال نا قابل گرفت ہیں۔

(۴) ایمان لانے کے بعد بغیر عذر شرعی کے اعمال، ترک ہوئے اور گناہ بھی سرزد ہوئے مگر سکرات موت سے قبل توبہ کی توفیق نصیب ہو گئی تو بازپرس سے بچ گئے۔

نوٹ : (۱) مصائب وآلام (دکھ درد)، گناہوں کا کفارہ۔

(۲) استغفار اور توبہ سے گناہوں کا بخشے جانا۔

(۳) عبادات سے، نوافل سے صغیرہ گناہوں کا معاف ہونا۔

(۴) انفاق فی سبیل اللہ سے گناہوں کا معاف ہونا۔

تلاطم ڈال دیتے ہیں خدا کے بحر رحمت میں
گناہوں کی ندامت سے جو دو آنسو ٹپکتے ہیں

(۵) رحمت ہونے کی وجہ سے پیدائش سے قبل ہی پیدا ہونے کے بعد کی ضرورتوں کو پہلے ہی سے مہیا کر دیا۔ بغیر مانگے کے مہیا کر دیا۔ ہماری ناواقفیت کی بناء پر بھی وہ چیزیں عطا کیا جنکی ہم کو عین ضرورت تھی۔ اور جن کے فوائد سے ہم ناواقف تھے۔ ایمان اور عمل سے قبل ہی سب کچھ عطا کر دیا۔

نوٹ: افسر کی ایک نعمت سے اسکو دن رات خوش رکھنے کی فکر لیکن اللہ کی ہزاروں نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتے۔ افسر کی ایک جھڑکی سے اڑ جاتے ہیں لیکن اللہ اکبر کی آواز پر کچھ حِسّی پیدا نہیں ہوتی۔

سورۃالفاتحہ ربوبیت کے اقرار، دین اسلام میں اللہ کی طرف سے بنا لینااور یہود و نصاریٰ کے دین سے محفوظ رہنے پر شامل ہے۔سورۃالفاتحہ کی ابتداء ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے ہوئی جس میں یہ وصف ہے کہ خداء تعالیٰ تمام مخلوقات کامالک ہے۔

سورۃالفاتحہ اُمُّ القرآن ہے اور قرآن کا مطلع ہے۔ لہٰذا مناسب ہوا کہ اس میں بلیغ ترین صفت اور کامل ترین وصف لایا جائے۔

سورہ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا، واجب ہے، فرض نہیں ہے۔ منفرد شخص کیلئے نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کاپڑھناواجب ہے۔ صرف فرض نمازوں میں قعدہ اولی کے بعد جو رکعتیں ہیں ان میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے۔ اسکے علاوہ ہر رکعت میں پڑھنا سورہ فاتحہ کا، واجب ہے خواہ فرض ہو واجب ہو یا سنت نماز ہو یا نفل یا وتر یا تراویح کی نماز۔ البتہ امام کے پیچھے پانچوں نمازوں میں مقتدی کو فاتحہ نہیں پڑھنا چاہیے۔امام ابو حنیفہ کا کہنا ہے۔

مختلف مذاہب میں خدا کے نام :-

خدا قادر مطلق کیلئے ہندی میں جو لفظ ہے وہ پَرَماتُمَا ہے۔ سنسکرت میں آتَمَا کا لفظ آتا ہے (یعنی روح) اور پرماتما کے معنی ہیں عظیم اور مقدس روح۔ انگریزی میں God کہا جاتا ہے۔آفریقی زبان Got، جرمنی زبان میں Gott، ڈنمارک کی زبان میں Gudd کہا جاتا ہے۔

انصاف کے دن کا حاکم

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ انصاف کے دن کا حاکم ہے۔

مَلَكَ - يَمْلِكُ - مِلْكاً ۔ مالک ہونا۔

مَالِكٌ اسم فاعل ،المَلَكۃ= ملکیت

مَلِكٌ بادشاہ،مَلَكٌ فرشتہ۔

دَانَ - يَدِيْنُ - دِيْناً - جزاء دینا۔ فیصلہ کرنا۔ حکم دینا۔

دِیْنٌ = مذہب - جزا - بدلہ - اطاعت ۔ جمع ادیان

شریعت کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ شریعت اور مذہب کی روح، اطاعت الٰہی ہی ہے۔ روز جزا اللہ نے نیک اور بد کے اعمال کا بدلہ دینے کیلئے مقرر فرمایا۔

دنیا دار العمل اور اسکے اختتام پر دار الجزاء

دار العمل میں مصائب، محنت و مشقت اور اگر کوئی محنت میں لگا ہوا ہے۔ تو اِس کیفیت کو کوئی عقلمند حیرت سے نہیں دیکھتا اسلیے کہ دار العمل میں ایسا ہی ہو گا کبھی کبھی اس دار العمل میں ہلکا سا نمونہ سزا اور جزا کی صورت میں انسان کو دیدیا جاتا ہے لیکن پورا پورا نہیں دیا جاتا اور وہ بھی عارضی ہوتا ہے۔ اس لیے انصاف کا تقاضہ ہو کہ ضرور ایک دن ایسا مقرر ہو جس میں پورا پورا فیصلہ ہو۔

سروَری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بُتانِ آزری

اقبال

مالک کون ہوا؟ - کائنات کے ذرّے ذرّے کا مالک وہی ہے جسکی تخلیق ہے، جسکی ملکیت ہے، جس کا قبضہ ہے ظاہر پر، باطن پر، زندہ پر، مردہ پر، ابتدا سے انتہاء تک دنیا سے آخرت تک۔ اور بندے کو دنیا میں جو اعتبار سے ملکیت دے رکھی ہے وہ محض آزمائش ہے۔ ﴿لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ - مائدہ (۴۸) (جو حکم اُس نے تمکو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ ﴿يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ۖ وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ﴾ وہ ایک ایسا دن ہے جس دن کوئی کسی کا بھلا نہ کرسکے گا اور حکم اس روز خدا ہی کا ہوگا۔

ملکیت کس پر ہوگی اس کا ذکر نہیں کیا گیا

مالک یہ اللہ کی صفت ہے، دنیا میں کوئی حاکم یا قاضی کو ایسے وسیع اختیارات نہیں ہوتے بلکہ محدود ہوتے ہیں اور قانون کے مطابق عمل ضروری ہو جاتا ہے لیکن مالک کے معنی جو چاہے کرے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

احتیاجات اور مرادات مخلوق سے نہ کی جائے ۔ انسانی زندگی کا پہلا قانون نفع حاصل کرنا ہے اور یہہ تولید نسل اور تحفظ ذات دونوں کیلئے ضروری ہے۔ تاکہ وہ ان چیزوں کو طلب کرے جو اسکی زندگی کی بقا اور منفعت کیلئے اور حفاظت میں معاون و مددگار ہوں۔

چیزیں یا تو نفع دینے والی ہیں یا پھر نقصان دہ ہیں، انسانی زندگی میں ان کے اثرات انسانی جسم پر مرتب ہوتے ہیں اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں تو ان چیزوں سے محبت، لذت فریفتگی یا اطاعت پیدا ہوتی ہے اگر چیزوں سے بُرے اثرات مرتب ہوی تو الم خوف نفرت پیدا ہو گا اسطرح انسان ایک چیز کو محبوب اور مرغوب رکھتا اور دوسری چیز غیر مرغوب و ناپسند ہو گی۔ انسان ایک کو حاصل کرنے کیلئے کوشاں رہیگا تو دوسری چیز سے گریز کریگا۔ جو غیر مرغوب اور ناپسند ہے۔

انسان عبادت اور مدد کی خواہش کی نسبت مخلوق سے نہ کرے بلکہ اللہ ہی کو ان دونوں کا مرکز بنائے، انسان ذیل اور فقر و حاجت کی نسبت مخلوق سے نہ کرے۔ مذکورہ باتیں اس دعوتی کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰہِ سے ہے

فقر اور احتیاج انسان کی فطرت میں داخل ہیں ان کو رفع کرنے کیلئے انسان ہر نفع پہنچانے والی چیز کو الٰہ قرار دیتا ہے خواہ نباتات ہوں، جمادات ہوں، حیوانات ہوں یا حشرات ہوں۔

حواس کے اس التباس (ہمشکل) اور عقل کے اس دھوکہ کو دور کرنیکے لئے دین حق کا پیغام اللہ کے رسول نے سنایا کہ اشرف المخلوقات ہو کر، فطرت کا شاہکار ہو

کر اپنے سے ادنی اور کمتر مخلوق کے آگے ذلیل نہ ہوں۔ سوائے اُس ہستی کے جسکو اللہ کہتے ہیں جو قابل عبادت اور مستحق استعانت (جس سے مدد کی خواہش) ہے وہی خالق، وہی رازق، وہی مالک، وہی مولیٰ، وہی حاکم اور وہی غنی ہے۔ اور ہم اسکے مملوک، مربوب، مخلوق، محکوم ہیں اور محتاج ہیں۔ جب ان ساری باتوں کا یقین مؤمن کو ہو جاتا ہے تو وہ موجودات عالم میں کسی اور کو نافع نہیں سمجھتا اور کسی کے آگے گردن نہیں جھکاتا اور کسی سے استعانت نہیں کرتا، پھر وہ کہنے لگتا ہے کہ ﴿أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾ [الزمر: ٣٦] (کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں ہے) بس اللہ کے مفہوم سے اسکی قلبی زندگی میں ایک انقلاب آ جاتا ہے۔ بہر حال دین کا اجمال، عبادت اور استعانت ہے اور اس کا ماحاصل تحفظ توحید ہے۔

عبادت، غايَةُ التَّذَلُّل (ذلت کی انتہا) کا نام ہے جس کا اظہار معبود حقیقی کے آگے کیا جاتا ہے اور اسکے معروف طریقے نماز، روزہ، زکوۃ، حج وغیرہ ہیں اسکے بعد رب سے استعانت (مدد کی خواہش) ہے اسکے کچھ طریقے ہیں جسکو ذیل میں خاکے (chart) سے ظاہر کیا گیا ہے۔

توحید کیا ہے؟ اللہ کی ذات ہی کو الٰہ قرار دینا یعنی معبود قرار دینا، زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا توحید ہے۔ اس اقرار اور تصدیق سے قلب سے شرک کا خروج ہوتا ہے۔ اور توحید داخل ہوتی ہے اور جس ذات پاک نے یہ پیام ہم تک پہنچایا ہے اسکی رسالت کے اقرار اور تصدیق سے دل سے کفر کا اخراج ہوتا ہے۔ اور ایمان جلوہ افروز ہو جاتا ہے۔

ایمان میں دو چیزیں ہیں (۱) رسالت (۲) الوہیت کی تصدیق، اور توحید میں دو چیزیں ہیں (۱) اللہ کی معبودیت (۲) ربوبیت اور ان کے تحت بندے کی عبادت اور استعانت کی تصدیق داخل ہے اسکا زبان سے اقرار اور دل سے انکار یا شک، نِفَاق ہے۔ اور اسکی تصدیق کے بعد انکار ارتداد ہے۔ غیر شریعت کو شریعت بتلانا، اِفْتِرا (جھوٹ یا بہتان لگانا) اعلی اللہ اور دوسری طرف نبوت کا خود دعوی کرنا ہے۔

ISLAHI TOHFA

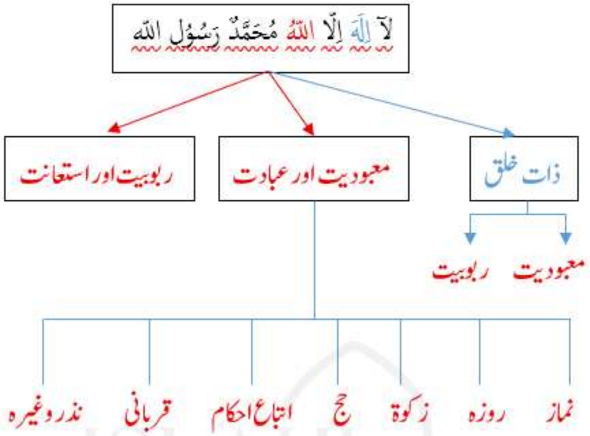

استعانت کے طریقے

حاجات کے لیے اللہ ہی سے دعا۔ اللہ حکیم ہے۔ اللہ قدیر ہے۔ اللہ سخی ہے۔ اللہ ولی ہے۔ اللہ خالق ہے۔	توکل اُسی پر ہو اعمال کا خالق وہی ہے حالات کا خلق وہی ہے مشیت اسی کی غالب ہے	مصائب پر صبر کرنا۔ دنیا دارالحزن ہے دنیا دارامتحان ہے غم کی وادی ہے آزمائش کی جگہ	اللہ کی نعمتوں پر شکر کرنا توبہ، دعا، توکل، صبر، شکر، ذکر، رضاء الہٰی وغیرہ کی کوشش کرنا۔

عبادت کی وضاحت :-

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾[الذاريات: ٥٦]

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں

امام المُفسرین حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ بھی عبادت کا ذکر آیا ہے اُسکے معنی توحید کے ہیں۔ گویا محاورہ قرآن میں عبادت ہر جگہ توحید کے صحن میں آئی ہے جیسے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ کے معنی نُوحّدكَ وَنُطِيعُكَ ، فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ﴾[العنكبوت: ٥٦]اے میرے بندوں جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ (وسیع) ہے تو میری ہی عبادت کر۔ مقصد یہ ہے کہ میری توحید تمہارے سینوں میں بس جائے۔ عبادت کی تعبیر، توحید کے لفظ سے کرنے میں خوبی یہ ہے کہ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عبادت صرف حق تعالیٰ ہی کے لیے مخصوص ہے دوسرے مقام پر واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ﴿ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾ [النساء: ٣٦] (اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔ پس اسی کو توحید الوہیت کہتے ہیں۔ تمام انبیاء اسی توحید الوہیت کو پیش کئے۔ یہی بعثت کا اصل مقصد ہے۔اِلہٌ اسم صفت ہے اور اِلہٌ سے معبود مراد ہے اور لاَ إِلَهَ إِلَّا اللّٰہ سے اسی توحید الوہیت کو پیش کیا جارہا ہے کہ وہی ایک مستحق عبادت ہے، اسی سے فقر وذلت کی نسبت جوڑنی چاہیے۔

سورہ انبیاء میں (١٨) انبیاء کا ذکر کر کے ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ نفوس قدسیہ حق تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک کرتے تو ان کی ساری اطاعتیں بیکار ہو جاتیں۔

کیونکہ شرک کے ساتھ کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ مقصود زندگی توحید فی العبادت ہے تو پھر عبادت کی وضاحت کیا ہے؟ کیا مفہوم ہے؟ عبادت کے لغوی معنی غایت تذلل یعنی نہایت درجے کی خاکساری ہے اور شرع میں عبادت کے معنی، بندوں کے اقوال اور افعال اور احوال سے جن کا تعلق حق تعالیٰ کی عظمت اور جلالت کے ساتھ ہوتا ہے وہ عبادت ہے۔ عبادت اسم جنس ہے۔اسکی بہت ساری قسمیں ہیں۔

عبادت کی قسمیں

<u>عبادت اعتقادی</u>:- یہہ ساری عبادات کی قسموں کی اصل ہے اسکا دوسرا نام توحید الوہیت ہے۔ یہ اسبات کا اعتقاد ہے کہ اللہ واحد ہے، خالق ہے، مالک ہے، حاکم ہے، اسی طرح الوہیت کے دیگر لوازم کا اعتقاد بھی رکھنا ہے۔ لہٰذا دُعا، ندا، فریاد، استعانت، رجا (امید)، خوف سب صرف اللہ ہی کیلئے ہوں، غیر اللہ سے نہ ہوں۔

<u>عبادت لفظی</u>:- کلمہ توحید کا زبان سے اقرار کیا اور اگر دل سے اعتقاد نہ رکھا تو اس کا خون اور مال تو بچ گیا لیکن وہ منافق ہے اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

<u>عبادات بدنی</u>:- جسے نماز، قیام، رکوع سجود، صوم، افعال حج و عمرہ، طواف، ذبح، حلق وغیرہ

<u>عبادات مالی</u>:- حق تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں اتفاق جیسے زکوۃ، صدقہ وغیرہ اسی طراح واجبات و نوافل کے افعال، اقوال اور افعال ابدان میں انواع ہیں جو سب کے سب عبادات میں داخل ہیں۔

بہر حال غیبی نفع کیلئے مخلوق جو کام کرتی ہے وہ عبادت ہے اگر اسکی اجازت اللہ نے دی ہے تو وہ اللہ کی عبادت ہے۔ اور اگر نہ دے تو وہ غیر اللہ کو اپنا معبود قرار دیا۔ اور اپنے نفع کیلئے ان کی مرضی کا اتباع کیا۔ یعنی ان کو نافع و ضار سمجھا۔ اور باعتقاد نفع ان کی تعظیم کی۔ وقت حاجت ان سے فریاد چاہی ان سے استعانت کی، انکو پکارا انکی التجا کی، انکی نذر و نیاز میں اپنے مال کا ایک حصہ صرف کیا۔ غرض فقر اور ذلّت کی نسبت ان سے جوڑا۔ ان کے سامنے خضوع کیا اور جب نبیوں نے اس سے روکا تو نہ مانا۔ یہاں عبادت کو استعانت پر مقدم کیا کہ عبادت ہی مدد ملنے کا وسیلہ ہے۔

مشرکین کی عبادت کیا تھی

مشرکین اپنے اصنام کو مقرب، شفیع اور نافع و ضار جان کر ان کے سامنے ذلیل و خوار بن کر کھڑے ہوتے اور ان سے فریاد رسی چاہتے تھے۔ ان ہی کو پکارتے، ان ہی سے استعانت کرتے تھے۔ اپنے مال کا ایک حصہ ان کی نذر و نیاز کیلئے صرف کرتے تھے۔ ان سے منتیں مانگتے ان کیلئے جانور ذبح کرتے ان کے ارد گرد طواف کرتے گویا وہ حق کی ربوبیت کے قائل تھے۔

قرآن کریم میں ندا ، دُعا، استعانت، نذر، طواف ، ذبح، کو افعال عبادت کہا گیا ہے۔ جب اللہ معبود ہے تو ان ساری عبادات کا تعلق ، اللہ ہی سے ہونا چاہیے۔ اور اگر کسی کا عقیدہ یہ ہے کہ ان کا تَقَرُّب، ان سے دُعا، استعانت، نذر، طواف وغیرہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے تو یہ قطعاً باطل ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک اور ایسا عقیدہ شرک محض ہے۔

دعا کے معنی پکارنے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانی نے کہا کہ الدُّعَا کَالنِّدَاءِ یعنی دعا ندا کے مانند ہے، ندا کے معنی میں ہے۔ دعا فریاد کرنا، دہائی مانگنا ہے۔ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [غافر: ٦٠] مجھ سے فریاد کرو میں پورا کرونگا۔ دعا شرع میں، عبادت کا حکم رکھتی ہے کیونکہ اس سے عجز عباد کا اظہار ہوتا ہے۔ مانگنا، گڑگڑانا، عجز کا ظاہر کرنا لوازم عبودیت سے ہیں اس طرح لوازم عبودیت، عبادت ہیں۔

دُعا مصدر ہے اور کبھی اسم بھی ہوتا ہے جیسے میں نے دعا کو سنا اور دعا کی حقیقت یہ ہے کہ عبد اپنے رب سے استدعا (درخواست) کرتا ہے جس میں مدد و عنایت کا خواستگار (درخواست کرنے والا) ہوتا ہے۔ جمہور عقلاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دُعا بلند ترین مقامات عبودیت سے ہے یہ صالحین کا شعار اور انبیاء کا طریقہ رہا ہے۔ جب دعا عبادت ہے تو غیر اللہ سے دعا کرنا شرک ہے۔

قرآن کریم نے مخلوق سے مدد اس صورت میں جائز رکھا ہے جب یہ ان امور میں کیا جائے جو ان کی قوت اور قدرت کے احاطہ میں ہوں۔ اسطرح دین کے کاموں میں مدد دینا اور مدد چاہنا واجب قرار دیا گیا ہے مظلوم کا حاکم کے پاس جانا، مریض کا حکیم سے مدد، مقدمہ میں وکیل سے مدد چاہنا واجب قرار دیا گیا ہے۔ اسباب دنیا کا استعمال نہ صرف جائز بلکہ ماموربہ (جس کا حکم دیا گیا) ہے لیکن بنیادی عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اسباب بالذّات مؤثر نہیں ہوتے ہر چیز اور ہر سبب اللہ کے اِذن کے بغیر مؤثر نہیں ہوتا اب رہ گئے وہ امور جن میں سوائے حق تعالیٰ کے کسی اور کو قدرت نہیں ہے ان میں کسی اور کو پکارنا یا مدد چاہنا حرام شرک ہے۔ جیسے رزق کا

دینا، بیمار کو شفا دینا، بندے کو ہدایت دینا، گناہ بخشنا وغیرہ۔ اسلئے شرک کو ظلم عظیم کہا گیا ہے۔

حدیث- الدُّعاءُ وَهُوَ العِبَادَةُ کیونکہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے۔ دعا مغز عبادت ہے عبادت خشوع و خضوع وتذلّل کے ساتھ پکارنا عبادت کی حقیقت ہے۔ اسلئے یہہ اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ غرض، غیر اللہ سے مراد نہ صرف بت ہیں بلکہ انبیاء واولیاء سب اس میں شامل ہیں۔

ایک دفعہ کسی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے نکل گیا کہ ماشاء اللہ وشئت یعنی جو اللہ چاہیں اور جو آپ چاہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی تنبیہ فرمائی اور فرمایا کہ تونے مجھے اللہ کے برابر کر دیا بلکہ یہ کہو کہ جو خدا تنہا چاہے۔

مقولہ :- خالق سے نظر ہٹ کر مخلوق پر جم جانا بلکہ مخلوق کا وجود تسلیم کرنا شرک ہے۔ کسی کام کا ارادہ دل میں پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے۔ کام کو پورا کرنے والا بھی وہی ہے۔ اسباب میں اثر ڈالنا تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ عبادت کی توفیق بھی تیرے ہی طرف سے ہے۔ کہیں تو راست بت پرستی ہے جس میں خدا کی وحدانیت کے تصور کے ساتھ خدا کی صفات میں بعض کو شریک کرنا اور ایسے لوگ مطلق مشرک ہیں۔ ان سے ہٹ کر شرک کی کئی قسمیں ہیں :

قبر پرستی، درگاہ پرستی، ارواح پرستی، کواکب پرستی، رسومات پرستی، توہمات پرستی، فقیر پرستی، علماء پرستی، شخصیت پرستی، مرشد پرستی، حکومت پرستی، طاقت پرستی، نفس پرستی، خود پرستی، عورت پرستی، جاہ واقتدار پرستی، عظمت پرستی، وطن پرستی،

وقت پرستی ، ماحول پرستی ، ملازمت پرستی ، خواہش پرستی ، تہذیب پرستی ، عادت پرستی ، طبیعت پرستی ، کرامات پرستی ، ناحق پرستی ، دنیا پرستی، زوجہ پرستی، اسلاف پرستی ، اقل پرستی ، خیال پرستی ، نسب پرستی ، سسرال پرستی، حسن پرستی ، اکابر پرستی، محسوس پرستی ،بزرگ پرستی، خاندان پرستی۔ وغیرہ

وقت فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نور توحید کا اتمام ابھی باقی ہے
اقبال ؔ

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

(اے پروردگار ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔)

إِيَّاكَ ضمیر منفصل ہے۔ کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے زیادہ تر ان ضمیروں کا استعمال ہوتا ہے۔ خصوصاً جبکہ فعل نَعْبُدُ پر مقدم کیا گیا ہے۔ إِيَّاكَ ،استغراق اور تخصیص کو ظاہر کرتا ہے (یعنی۔ ہم سب کو چھوڑ کر تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ (مفید تخصیص ہے)

(۱) مذکورہ آیت میں تین پہلو ہیں۔ (۱) حمد و ثنا (۲) دعا (۳) درخواست۔ پہلے جملے میں شرک سے بری ہونا ہے اور دوسرے جملے میں اپنی قوت اور قدرت سے بری ہونا اور تیسرے جملے میں درخواست ہے۔

(۲) حضرت امام غزالی رحمہ نے عبادت کی ۱۰ قسمیں بتلائی ہیں۔

(۱) نماز (۲) روزہ (۳) زکوۃ (۴) حج (۵) تلاوت قرآن (۶) ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا (۷) حلال روزی کی کوشش کرنا (۸) پڑوسی اور ساتھی کے حقوق ادا کرنا (۹) لوگوں کو نیک کاموں کا حکم کرنا (۱۰) سنت رسول ﷺ کی اتباع کرنا۔

(۳) عبادت کا لفظ عربی زبان میں تین معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
(۱) پرستش (۲) اطاعت اور فرمانبرداری (۳) بندگی اور غلامی۔
مذکورہ آیت میں تینوں معنی بیک وقت مراد ہیں۔
إِيَّاكَ ، مخاطبت کا صیغہ ہے اور غائب کے صیغے سے خطاب کی طرف آنا التفات ہے۔ (اصل میں ایاہُ نَعْبُدُ تھا) خود إِيَّاكَ ضمیر منفصل واحد مذکر حاضر ہے۔

(۴) تقدیم مفعول بہ کی وجہ سے زور اور تاکید پیدا ہو گیا اور قصر کا فائدہ بھی دیتا ہے۔

(۵) جمع کا صیغہ (نَعْبُدُ) لایا گیا کیونکہ ہر شخص کا ذاتی تعلق پوری اُمّت پر قائم ہے۔ مل جل کر رہنے کی تعلیم اسلام کے سوا کہیں نہیں پائی جاتی۔

(۶) عبادت کو مقدم کیا استعانت پر، اسلئے کہ عبادت وسیلہ ہے حاجت روائی کا۔ اور جمع کا صیغہ خاکساری کے طور پر ہے۔

(نَعْبُدُ) عَبَدَ - يَعْبُدُ = عِبَادَةً - عُبُودَةً — عُبُودِيَةً

(۱) اللہ کو ایک جاننا (۲) خدمت کرنا (۳) ذلیل ہونا ہے (۴) خضوع کرنا (۵) پرستش کرنا۔

عَابِدٌ اسم فاعل، مَعْبُودٌ اسم مفعول عِبَادَةٌ اسم مصدر

إِسْتَعَانَ يَسْتَعِينُ = اشتعاناً مدد طلب کرنا۔ مدد چاہتا۔

مُسْتعِينُ اسم فاعل، مُسْتَعَانٌ اسم مفعول، إِسْتِعَانَتْ مدد۔

کس کام کی مدد چاہتے ہیں اسکو محذوف کر دیا گیا، جس سے عموم کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی ہر کام میں ہم آپ کی مدد چاہتے ہیں۔ شرک کی دو قسمیں ہیں (۱) عبادت (۲) استعانت۔ دونوں سے بچنا ضروری ہے۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ ہم کو سیدھا راستہ چلا

اِهْدِنَا تو راہ دیکھا۔ امر کا صیغہ (الٰی کے صلہ کے ساتھ)

هَدَا - يهْدِى - رہنمائی کرنا

هُدًى – هَدْياً - هِدَايَةً راہ دیکھا

اِهْدِنَا کا مطلب صرف اسی قدر نہیں ہے کہ ہم کو سیدھا راستہ دکھا دے بلکہ اس کا مفہوم اس سے بہت زیادہ ہے چنانچہ اس میں یہ مفہوم بھی ہے کہ (۱) اس راستے کی صحیح ہونے پر ہمارے دل مطمئن کر دے۔ (۲) اس پر چلنے کا ہم میں ذوق و شوق پیدا کر دے۔ (۳) اس پر چلنے سے جو مشکلات درپیش ہیں وہ آسان کر دے۔ (۴) اس پر چلا دینے کے بعد دوسری پگڈنڈیوں پر بھٹکنے سے ہم کو محفوظ فرما۔ (یہ سارا مضمون یہاں صلہ کو حذف کر دینے سے پیدا ہوتا ہے)

صراط پر جو لام ہے وہ عہد کا ہے

اس سے مراد وہ سیدھا راستہ ہے جو بندوں کیلئے خود اللہ تعالیٰ نے کھولا ہے جو دین اور دنیا دونوں کی فلاح و کامیابی کا ضامن ہے جس پر چلنے کی دعوت نبیوں، رسولوں نے دی ہے جس پر ہمیشہ خدا کے نیک بندے چلے ہیں۔ جو قریب تر اور سہیل تر

ہے ۔(هُدًى مصدر لا کر اسم فاعل سے ترجمہ اسوقت ہوتا ہے جبکہ ہدایت کی کثرت ہو۔) هَدَا - يهْدِي - هُدًى =راہ دکھانا۔

اهدِنَا الصّراط المستقيم کا دُعا کی شکل میں آنا ایک خاص حقیقت پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس بات کو صریح دعا کے اسلوب میں کہنے کے معنی یہ ہیں کہ یہاں انسان کی اپنی عقل اور سمجھ بالکل عاجز ہے۔ صرف خدا ہی ہے جو بتا سکتا ہے کہ صراط مستقیم کیا ہے ؟ اور وہی ہے جو اس صراط مستقیم کو اختیار کر لینے کے بعد اس پر جمے رہنے کی توفیق بخشتا ہے۔

یہیں سے انسانی فطرت کے اندر وہ خلاء نمایاں ہوتا ہے جس کے سبب سے نبوت اور رسالت کا محتاج ہوا ہے۔ انسان اگر کج فہمی سے کام نہ لے تو وہ یہ معلوم کر سکتا ہے کہ ایک خدا ہے ، وہی رب ہے اور مہربان ہے۔ اور سزا اور جزا دینے والا بھی ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا اس کے بس میں نہیں ہے اس خدا کی بندگی اور اطاعت کا طریقہ کیا ہے ؟ یہی طریقہ بتانے کیلئے اللہ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو بھیجا ہے۔

خلاصہ :- یہ سورت یہ بتلاتی ہے کہ آفاق اور انفس میں خدا کی ربوبیت اسکی رحمانیت اور رحیمیت اور اسکے عدل کی جو نشانیاں موجود ہیں وہ انسان کے اندر خدا کا جذبہ شکر ابھارتی ہیں یہ جذبہ ایک زور دار تحریک بن کر انسان کو عبادت الٰہی اور اسی سے استعانت کیلئے ابھارتا ہے۔ اسکے بعد انسان میں سیدھے راستے کی طلب اور جستجو پیدا ہوتی ہے جو اسکو خدا تک پہنچائے، انسان کی اس طلب و جستجو کو پورا کرنیکے لیے نبوت اور رسالت کا نظام قائم فرمایا اور اپنی ہدایت اور شریعت نازل فرمائی۔

هَدٰی - يَهْدِي - هُدًى - هَدْياً - هِدَايَةً (راہ دکھانا)

اِهْدِی - توراہ دکھا (امر کا صیغہ)۔ صِرَاطْ معنوی صورت = ہدایت کا راستہ

ھدایت - عربی زبان کا بڑا جامع لفظ ہے اسکے معنی ہیں:

(۱) راستہ دکھانا (۲) راستہ پر چلانا (۳) منزل مقصود پر پہنچانا۔

یعنی کسی شخص کو منزل مقصود تک مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنا اور ہدایت کرنا ہے۔ بہر حال ہدایت خداوندی تمام مخلوقات کو شامل ہے جیسے جمادات، نباتات حیوانات، انسان، جن اور ہر ایک کو ہر ایک کے مناسب ہدایت دیگئی ہے۔

﴿وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ﴾ [الأعلى: ٣] (اور جس نے تجویز کیا اور راہ بتلائی)

ہدایت کی پہلی قسم: تمام کائنات کے اندر روح اور حیات ہے، ادراک اور احساس بھی ہے۔ عقل و شعور بھی ہے۔ مگر بعض میں اس قدر یہ جوہر کم ہے کہ عام دیکھنے والوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا اسلئے عرف میں اسکو بے جان یا بے عقل کہتے ہیں۔ اسی بناء پر وہ احکام شرعیہ کا مکلّف بھی نہیں بنایا گیا ہے۔ لیکن ہدایت عامہ اللہ کی طرف سے سب کو ہے جسکی وجہ سے کائنات کی تمام انواع و اصناف اپنا اپنا مقررہ فریضہ نہایت سلیقے سے ادا کر رہے ہیں۔ اس لیے مولانا جلال الدین رومی نے فرمایا کہ

باد و خاک وآب وآتش بندہ اند
با من و تو مردہ باحق زندہ اند

زمین، ہوا، پانی اور آگ سب اللہ کے بندے ہیں۔ میرے اور آپ کے لیے یہ بے جان ہیں، لیکن اللہ کے نزدیک یہ سب زندہ ہیں۔

ہدایت کی دوسری قسم : ذوی العقول کو دیگئی یعنی انسان ، جن، یہ ہدایت انبیاء کے ذریعے ،آسمانی کتابوں کے ذریعے۔

ہدایت کی تیسری قسم : مؤمنین اور متقین کے ساتھ مخصوص ہے یہاں اس ہدایت کو توفیق کہتے ہیں۔ بہر حال اللہ کی ہدایت کے سب محتاج ہے، ادنٰی مؤمن، اور ولی اور انبیاء سارے کے سارے۔

دعاء یوں بھی ہے کہ اگر ہمکو راستہ نہ معلوم ہو تو راستہ دکھا اور اگر کوئی راستہ کا علم رکھتا ہے تو اسکو اس پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ اور جسکو چلنے کی توفیق ہے تو اسکو استقامت عطا فرما۔ یہاں تک کہ وہ کامیابی کی منزل کو پالے۔ اور راستہ ہیں نہ رہ جائے۔

درجات ہدایت کی اس تشریح سے یہ اندازہ ہوا کہ ہدایت ایک ایسی چیز ہے جو سب کو حاصل ہے اور ہدایت کے مزید درجات عالیہ حاصل کرنے کے لیے سارے انسان محتاج ہیں۔ ہدایت کی اس تشریح سے قاری کو فہم قرآن میں بہت سے فائدے حاصل ہوں گئے۔ اول یہ کہ یہ قرآن میں ہدایت کو ہر مومن اور کافر کیلئے بلکہ پوری مخلوق کیلئے عام فرمایا گیا اور کہیں اسکو محض متقین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے اس سے پتہ چلا کہ ایک درجہ ہدایت وہ ہے جو سب کے لئے عام ہے اور دوسرا درجہ مخصوص ہے۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قرآن میں ایک طرف تو جگہ جگہ ارشاد ہے کہ اللہ ظالمین یا فاسقین کو ہدایت نہیں فرماتے اسکا جواب بھی درجات کی تفصیل سے واضح ہو گیا کہ ہدایت عامہ تو سب کو کی جاتی ہے اور ہدایت کا مخصوص درجہ ظالموں اور فاسقوں کو نصیب نہیں ہوتا۔ ہدایت کا تیسرا درجہ جو توفیق کہلاتا ہے وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ رسول کے ہاتھ میں نہیں۔

﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾ [القصص: ۵۶] (اے محمد ﷺ) تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ خدا ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔

صراط مستقیم کون سا راستہ ہے۔

سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہو۔ اس سے مراد دین کا وہ راستہ ہے جس میں افراط و تفریط نہ ہو۔ افراط کے معنی حد سے آگے نکل جانا اور تفریط کے معنی کوتاہی کرنا۔ پھر اسکے بعد کی دو آیات میں صراط مستقیم کا پتہ دیا گیا ہے۔ جسکی دعا اس آیت میں تلقین کی گئی ہے کہ۔

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ یعنی راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا ہے اور وہ لوگ جن پر انعام فرمایا گیا ہے۔ انکی تفصیل ایک دوسری آیت میں اسطرح کرتی ہے۔ ﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا﴾ سورہ النساء (٦٩) یعنی وہ لوگ جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے وہ انبیاء، صدیقین، شھداء اور صالحین ہیں۔ یہ چار درجات مقبولیت بارگاہ الٰہی کے ہیں۔ اس آیت میں پہلے مثبت اور ایجابی طریقہ سے صراط مستقیم کو متعین کیا گیا کہ ان چار طبقوں کے حضرات جس راستے پر چلیں وہ ہی صراط مستقیم ہے، اسکے بعد آخری آیت سلبی اور منفی صورت سے اس ہدایت کی تعین کی گئی ہے۔ ارشاد ہے۔

﴿ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴾

یعنی نہ کہ وہ راستہ یا ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ کا عضب کیا گیا اور نہ ان لوگوں کا راستہ جو گمراہ ہوگئے ۔ مغضوب علیہم سے وہ لوگ مراد ہیں جو دین کے احکام کو جاننے پہچاننے کے باوجود شرارت یا نفسانی اغراض کی وجہ سے ان کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں احکام الٰہیہ کی تعمیل میں کوتاہی کرتے ہیں جیسے عموماً یہود کا حال تھا۔ کہ دنیا کے ذلیل مفاد کی خاطر دین کو قربان کرتے اور انبیاء علیہم السلام کی توہین کیا کرتے تھے۔ اور ضالین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ناواقفیت اور جہالت کے سبب دین کے معاملے میں غلط راستے پر چلے گئے اور دین کے مقررہ حدود سے نکل کر افراط اور غلو میں مبتلا ہوگئے ۔ جیسے عام طور پر نصاریٰ کا حال تھا۔ کہ نبی کی تعظیم میں اس قدر آگے نکل گئے کے انکو خدا بنالیا۔ دوسری طرف انبیاء کو قتل کرنا۔

اسطرح آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہم وہ راستہ نہیں چاہتے جو اعراض نفسانی کے تابع بد عمل اور دین میں تفریط کرنے والوں کا ہے اور نہ وہ راستہ چاہتے ہیں جو جاہل، گمراہ اور دین میں غلو کرنے والوں کا ہے بلکہ دین دونوں کے درمیان کا سیدھا راستہ چاہتے ہیں، جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط اور جو شہوات اور جو اعراض نفسانی کی اتباع سے نیز شبہات سے اور عقائد سے پاک ہو۔

<u>خلاصہ</u> : اس پوری صورت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ ایک دُعا ہے کہ یا اللہ ہمکو صراط مستقیم کی ہدایت فرما اور اسکی پہچان میں غلط ہونے سے بچا۔ چونکہ دنیا میں صراط مستقیم کا پہچاننا ہی سب سے بڑا علم ہے اور سب سے بڑی کامیابی ہے اس لئے قرآن نے صراط مستقیم کی پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ انسان کی فلاح اور اصلاح کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک کتاب اللہ جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلق احکام موجود ہیں۔ دوسرے رجال اللہ یعنی اللہ والے لوگ جن سے کتابُ اللہ کا مفہوم سیکھنے اور عمل کرنے کا کام لیا جائے۔ (کتاب اللہ + رجال اللہ)

خاتم الانبیاء کے بعد، صدیقین، شُھَدَاء، صالحین کو شامل کر لیا۔ جو قیامت تک ہمیشہ موجود رہیں گے۔ گویا کتاب کے ذریعہ رسول کو بھیجنا اور صراط مستقیم کے تعین کیلئے مقبول بندوں کی فہرست دینا گویا ایک مکمل نظام ہے۔

صراط مستقیم سے مراد توحید کا راستہ ہے۔

مذہب کی راہ میں انسان کا فطری ارتقاء اسطرح ہوا ہے اور اس سورت میں یہ حقیقت چونکہ نہایت اجمالی اور نہایت خوبی کے ساتھ واضح ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے اسکو دیباچہ قرآن کی جگہ ملی۔

دوسری وجہ یہہ ہے کہ قرآن میں جو مطالب بیان ہوئے ہیں انکو اگر سمیٹا جائے تو وہ تین عنوانوں کے تحت جمع کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) توحید قیادت (۲) قیامت (۳) رسالت

سورۃالفاتحۃ ان تینوں عنوانوں پر بنیادی رہنمائی دیتی ہے اسی وجہ سے اس نے گویا اسلام کے سارے علوم کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ نیز اسی لپیٹ میں یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ خدا کی شریعت کو پانے کے بعد، کس قوم پر کیا ذمہ داری عاید ہوتی ہے۔ اور اسکی قدر کرنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کیا معاملہ کرتا ہے۔

غرض اس سورت کے اندر دین کے تمام بنیادی عناصر جمع ہیں۔ پورے قرآن سے اس سورت کا تعلق ہے۔ سورہ فاتحہ کے آخری حصہ اور سورہ بقرہ کی پہلی آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں وہی تعلق ہے جو تعلق

ایک دعا اور اسکے جواب یا اسکے اثر اور اسکی قبولیت میں ہوتا ہے۔ سورہ بقرہ میں یہودیوں کی شرارت کی تفصیل، تو عمران میں نصاری کی بدعتوں کی تفصیل اور اسلام کی صحیح تصویر۔ سورہ فاتحہ میں ایمان باللہ کا ذکر اور بقرہ میں ایمان بالرسالت کا۔

قرآن کی یہ ایک سورت ایسی ہے جو پوری کی پوری دُعا ہے یعنی سورۃ الفاتحۃ۔ معجزات اور کرامات اللہ کا فعل ہیں صرف ان کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی عظمت ظاہر کرنے یا ثابت کرنے کیلئے ہوتا ہے۔ اور انسان خرق عادات میں خدا کی خدائی ڈھونڈنے کے بجائے آثار فطرت میں خدا کی خدائی اور اسکی نشانیاں ڈھونڈے۔

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ ۚ﴾ [الأنفال: ١٧]

(اے محمد جس وقت تم نے کنکریاں پھینکی تھیں وہ تم نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ نے پھینکیں تھیں) (اللہ کے فعل کا ظہور، رسول کے ہاتھوں پر ہوا تھا)

آمین۔ اسماء افعال وہ الفاظ ہیں جو فعل تو نہیں ہوتے لیکن ان میں فعل کے معنی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے بعض ماضی کے معنی میں آتے ہیں اور بعض امر کے معنی میں آتے ہیں، آمین امر کے معنی میں ہے۔

آمَّنَ - يُؤْمِنُ = تَأْمِيْناً = آمین کہنا

آمِيْنْ = إِسْتَجِبْ = تو قبول کر۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ دعا ہے کہ ہم کو ہمارے دین میں حق والا دین اِلقاء کردے اَلْهِمْنا دِينَاكَ الْحَقِّ .

مقولہ: مادی زندگی میں بھٹکنے کا نقصان بڑے سے بڑا بھی، اخلاقی زندگی بھٹکنے کے نقصان سے کم ہے۔ خشکی میں نشانات ہدایت سمندروں میں تاواں سے رہبری، صحراؤں میں آثار رہنمائی، ریگستان میں نشانات راہ اللہ نے کھڑا کر دیا ہے۔

جب رب رحیم نے ہماری فلاح کی فکر کیوجہ سے مادی زندگی میں رہبری کرنا ضروری سمجھا تو کیا اسکو اس سے زیادہ نقصان وہ میدان میں جو کہ اخلاقی میدان ہے ہماری رہبری کی صورت نہیں رکھے گا۔ اس طرح نہ صرف وہ ساری مخلوق کا خالق ہے بلکہ وہ معلم اور ہادی بھی ہے۔ چنانچہ رسول اور شریعت کا اہتمام بھی کیا گیا۔

حدیث- لا تَزولُ قَدَمَا عَبْدٍ يومَ القيامةِ، حتَّى يُسأَلَ عن عُمُرِه؛ فيمَ أفناه؟ وعن عِلْمِه؛ فيمَ فعَلَ فيه؟ وعن مالِه؛ من أين اكتسَبَه؟ وفيم أنفَقَه؟ وعن جِسمِه؛ فيمَ أبلاه؟

یوم قیامت ابن آدم کے قدم میدان حشر سے ہٹ نہیں سکیں گے جب تک کہ پانچ سوالات کے جوابات نہ لے لئے جائیں، (۱) عمر کس میں گزرا، (۲) جوانی کس طرح کاٹی، (۳) مال کہاں سے کمایا (۴) اور کسی میں خرچ کیا۔ (۵) جو علم حاصل تھا اس پر کتنا عمل کیا۔

منظوم ترجمہ - سورۃ الفاتحۃ

سبھی خوبی سبھی تعریف ہے اللہ کو زیبا
بزرگی ہے اُسی آقا عالی جان کو زیبا

وہ ہے سارے جہانوں کا خدائے برتر و بالا
برابر ساری مخلوقات کو لے پالنے والا

بہت ہی مہربان ہے وہ بڑا ہی مہربان ہے
سراسر رحمت فشاں، رحمت فشاں، رحمت فشاں

وہ ہی روز قیامت کا اکیلا حکمران ہو گا
کسی کا مشورہ ہو گا نہ کوئی درمیاں ہو گا

خداوند ترے آگے ہم اپنا سر جھکاتے ہیں
تجھی کو پوچھتے ہیں بس تجھ سے لو لگاتے ہیں

خداوند تجھی سے چاہتے ہیں ہم مددگاری
تجھے آتی ہے اپنے آرزومندوں کی دلداری

دیکھا دے ہمکو سیدھی راہ سیدھی راہ پے لے چل
جنہیں تو نے نوازا ہے ان ہی کی راہ پر لے چل

نہ اُنکی راہ پر لے چل خدائی مار ہے
جن پر تیری پھٹکار ہے، جن پر تیری دھتکار ہے

نہ انکی راہ پر لے چل بھٹک کر رہ گئے ہیں
جو مُلَمَّع کی طرح چمکے چمک کر رہ گئے ہیں

کیف بھوپالی

ترجمہ سورۃ الفاتحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴾﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴾

تعریف اللہ ہی کیلئے ہے جو تمام کائنات کا رب ہے۔ رحمٰن اور رحیم ہے۔

﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

روز جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ نہ ان کے راستے جن پر غصّہ ہوتا رہا اور نہ گمراہوں کا۔ آمین = استجِب = تو قبول فرما۔

وَلَا الضَّالِّينَ ہجے کرنیکا طریقہ

واو - زبر - وَ، لام - ضاد - زبر - لَضْ = وَ لَضْ

ضاد - الف - لام - زبر - ضَالْ ،

اوپر مد ضآل - لام ی - زیر لی - وَلَضَّالِّی ،

نُون - زبر - نَ — وَلَضَّالِّينَ ۔

آگے آیت ن پر جزم - وَلَضَّالِّينْ

آمین آہستہ کہنا سنت ہے۔ تعوذ، تَسمِیہ، ثنا، آمین، آہستہ پڑھیں کیونکہ یہ دعا ہے۔

تحلیل سورة الفاتحہ

﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾

الْحَمْد مبتدا، ال حرف جر، الله (مجرور) مبدل منہ، ربّ مضاف، الْعَالَمِينَ مضاف الیہ، دونوں ملکر بدل اول، الرَّحْمٰنِ، بدل ثانِ، الرَّحِيمِ بدل ثالث، مَالِكِ مضاف، يَوْمِ مضاف الیہ مضاف، الدِّينِ مضاف الیہ، سب ملکر بدل رابع،

اللہ مبدل منہ اپنے چار بدلوں سے ملکر مجرور، جار مجرور ملکر متعلق ہوا خبر محذوف حقٌّ کے ، حقٌّ شبہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہوکر بتاویل مفرد خبر، مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر ابتدائی ہوا۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾

إِيَّاكَ : ضمیر منفصل، مفعول بہ مقدم

نعبد : فعل با فاعل، جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ ہوا،

وَاو : عاطفہ

إِيَّاكَ : ضمیر منفصل، مفعول بہ مقدم

نَسْتَعِينُ : فعل با فاعل، جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مستانفہ ہوا۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾

اهْدِ : فعل با فاعل،

نا : مفعول بہ، اول،

الصِّرَاطَ : موصوف،

الْمُسْتَقِيمَ : صفت،

موصوف صفت ملکر مبدل منہ (مفعول ثانی)

﴿صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾

صِرَاطَ : مضاف،

الَّذِينَ : اسم موصول،

أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ : جلمہ فعلیہ خبر یہ ہو کر صلہ ہوا، اسم موصول اور صلہ ملکر مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ ملکر بدل اول۔

غَيْرِ : مضاف،

الْمَغْضُوبِ : (اسم مفعول) شبہ فعل،

عَلَيْهِمْ : جار مجرور ملکر متعلق شبہ فعل، شبہ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق سے ملکر شبہ جملہ ہو کر مضاف الیہ مضاف، مضاف الیہ ملکر معطوف علیہ

واو : عاطفۃ،

لا : زائدہ،

الضَّالِّينَ : جملہ ہو کر معطوف، معطوف علیہ اور معطوف ملکر مضاف الیہ، مضاف مضاف الیہ ملکر بدل ثانی۔

مبدل منہ، اپنے دونوں بدلوں سے ملکر مفعول ثانی ہوا، فعل اِهْدِنَا کا، اِهْدِنَا فعل اپنے فاعل اور دو مفعولوں سے ملکر جملہ انشائیہ ہوا۔

سورۃ الفاتحۃ کے علوم قرآن پر مشتمل ہونے کا بیان

زمخشریؒ نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ سورۃ خدا تعالیٰ کی اسکے لائق ثنا، تعبد، نہی، وَعَدَ اور وعید، ان سب امور پر مشتمل ہے۔ اور آیات قرآنی، ان امور میں سے کسی نہ کسی ایک امر سے کبھی خالی نہیں ہوتیں۔ اور امام فخر الدین رازی رحمہ کا قول ہے کہ تمام قرآن سے صرف چار امور کی تقریر قرار دینا اور ثابت کرنا مقصود ہے۔ (۱) الٰہیات (۲) معاد (آخرت) (۳) مَوَات (موت کا وقت) (۴) اللہ ہی کیلئے قضا و قدر کو ثابت کرنا۔

لھٰذا قولہٗ تعالیٰ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ الٰہیات پر دلالت کرتا ہے۔اور ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ ، مِعَاد پر دلالت ہے۔ قولہٗ تعالیٰ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ بے شک تمام باتیں خدا ہی کی قضا و قدر ہی سے ہیں۔اور ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ سے آخری آیت تک قضاء الٰہی کے اِثبات اور نبوّتوں پر دلالت کرتا ہے۔

پس جب قرآن کا سب سے بڑا مقصد ہی چاروں مطالب ہیں اس لئے اسکا نام اُمُّ القرآن رکھا گیا ہے۔ قاضی بیضاویؒ نے کہا ہے کہ یہ سورت ایسی نظری حکمتوں اور عملی حکموں پر مشتمل ہے کہ جو طریق مستقیم پر چلنا اور سعید لوگوں کے مراتب اور بد بختوں کے منازل پر اطلاع پانا ہے۔اور طِیبیؒ کا کہنا ہے کے یہ سورۃ اُن علوم کے چار انواع پر مشتمل ہے جو کہ علوم دین کی بنیاد کے طور پر ہے۔ (۱) علم الاصول - بنیادی عقیدہ—یعنی اللہ اور اسکی صفات کی معرفت اور قدرت کا یقین رکھنا اور اسی کی طرف اشارہ ہے۔﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ میں اور نبوت کی معرفت اس کا اشارہ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ میں ہے۔اور مِعاد کی طرف اشارہ ہے۔﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ میں (۲) فروعات کا عِلم ہے اور اسکی بنیاد عبادات میں ہے۔ چنانچہ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ سے یہی امر مقصود ہے (۳) عِلم اُن چیزوں کا جاننا ضروری ہے جن کے ذریعہ سے کمال کا حصول ہوتا ہے اور وہ عِلم اخلاق ہے۔اور پھر علم اخلاق کا بزرگ ترین شعبہ یہ ہے کہ انسان دربار خداوندی تک پہنچ جائے۔اور خدا واحد و یکتا کے حضور میں پناہ لے۔اسکے راستہ پر چلنے والا بنے اور سلوک میں استقامت برتے چنانچہ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ سے اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ (۴) علم قصص اور اگلی قوموں اور اگلے زمانے کی خبروں کا علم ہے یعنی یہ معلوم کرنا کہ کون لوگ سعید ہوئے اور کون لوگ شقی (ظالم) تھے۔پھر ان کی تواریخ کے ساتھ

نیکو کاروں کو عمدہ وعدے دینے اور بد کاروں کو سزا کی دھمکیاں سنانے کی جن باتوں کا تعلق ہے ان کا بھی معلوم کرنا ضروری ہے۔ اور قول تعالیٰ ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ سے یہی مراد ہے۔ امام غزالیؒ نے کہا کہ قرآن کے ٦ مقاصد ہیں۔ تین مقصد مُہِمَّہ (اہم کام) ہیں۔ (۱) ایک تو مدعو الیہ کی تعریف ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (۲) ﴿الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ کی تعریف اور (۳) میرے خدا کی طرف واپس جانے کے وقت کا حال۔ ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾۔ تین مقصد مُتِمَّہ (مکمل کرنے والی) ہیں۔ (۱) مطیع لوگوں کے احوال کی تعریف ﴿أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ (۲) انکار کرنے والوں کا حال اور انکے اقوال ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ (۳) راستہ کی تعریف ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾۔ سورۃ البقرہ میں ایک ہزار امر، ایک ہزار نہی اور ایک ہزار حکم اور ایک ہزار خبریں، اسی وجہ سے عمرؓ نے ۸ سال تک اسی کی تعلیم دینے، قائم رہنے میں صرف کیئے۔

الفاتحہ

سورۃ کا نام الفاتحہ اسکے مضمون کی مناسبت سے ہے "فاتحۃ" اس چیز کو کہتے ہیں جس سے کسی مضمون یا کتاب یا کسی چیز کا افتتاح ہو، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ یہ نام دیباچہ اور آغاز کلام کا ہم معنیٰ ہے۔

زمانہ نزول :- یہ نبوت محمدیؐ کے بالکل ابتدائی زمانہ کی صورت ہے بلکہ معتبر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلی مکمل سورت جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہی ہے اس سے پہلے صرف متفرق آیات نازل ہوئی تھیں۔ جو سورہ علق، سورہ مُزّمّل اور سورہ مُدّثّر وغیرہ میں شامل ہیں۔

مضمون :- یہ سورہ دراصل ایک دُعاہے جو اللہ نے ہر انسان کو سکھائی ہے جو اسکی کتاب کا مطالعہ کررہا ہو۔ اور کتاب کی ابتداء میں اسکو رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم واقعی اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو پہلے خداوند عالم سے یہ دعا کرو۔

انسان فطرتاً دُعا اُس چیز کی کیا کرتا ہے جس کی طلب اور خواہش اسکے دل میں ہوتی ہے اور ایسی صورت میں کرتا ہے جبکہ اسکو یہ احساس ہو کہ اسکی مطلوب چیز اس ہستی کے اختیار میں ہو جس سے وہ دعا کر رہا ہے۔

پس قرآن کی ابتداء میں اس دعا کی تعلیم دے کر گویا انسان کو یہ تلقین کی گئی ہے وہ اس کتاب کو راہ راست کی جستجو کیلیے پڑھے۔ طالب حق کی سی ذہنیت لیکر پڑھے۔ اور جان لے کہ علم کا سر چشمہ خداوند عالم ہے اسلئے اس سے رہنمائی کی درخواست کر کے پڑھنے کا آغاز کرے۔

اس مضمون کو سمجھ جانے کے بعد یہ بات خود بہ خود واضع ہو جاتی ہے کہ قرآن اور سورہ فاتحہ کے درمیان حقیقی تعلق کتاب اور مقدمہ کا سا نہیں ہے بلکہ دعا کا سا ہے۔ سورہ فاتحہ ایک دعا ہے بندے کی جانب سے اور قرآن اس کا جواب ہے خدا کے جانب سے، بندہ دعا کرتا ہے کہ "اے پروردگار میری رہنمائی کر" جواب میں پروردگار پورا قرآن اسکے سامنے رکھ دیتا ہے کہ یہ ہے وہ ہدایت اور رہنمائی جسکی درخواست تو نے مجھ سے کی تھی۔

﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ یہ دعا ہے۔ اور ﴿ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ جواب دعا ہے۔

منظوم ترجمہ :-

کتاب مستند ہے یہ نہیں ہے کوئی شک اس میں
زرا سا بیش و کم ہو گا نہ ہرگز حشر تک اس میں

یہہ قندیل ہدایت ہے خدا کے نیک بندوں کو
دوا کارگز بخشی گئی ہے درد مندوں کو

نظر تحریر، راقم کی طرف سے قلم برداشتہ ہے

قرآن مجید اللہ کا کلام ہے۔ ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل ہے۔ جن میں ۶۶۶۶ آیات کریمہ ہیں۔ جنکی زبان عربی ہے جو فصاحت اور بلاغت کو لئے ہوتے ہیں، علما و کرام نے ان کو سمجھنے کیلئے کم از کم (۱۶ علوم) کا سیکھنا ضروری بتلایا ہے۔ ان علوم کی مدد سے قرآن کو سمجھنا ایک ایک آیت پر غور و فکر و تدبر کرنا تا کہ اللہ کے مزاج، مقصد اور منشا کو بندہ سمجھ سکے۔ کلمہ گو، کلمے کے تقاضوں پر عمل کرنے سے قبل، دین کے احکام پر عمل کرنے سے پہلے، دین کا علم حاصل کرے کیونکہ حدیث شریف میں علم کو عمل کا امام بتایا گیا ہے۔ یعنی دین کا علم پہلے پھر بعد میں عمل، تاکہ عمل قبولیت کا درجہ پا سکے۔

دین کا علم کیا ہے؟:- ۶۶۶۶ آیات اور تقریباً ۲۵ ہزار احادیث شریفہ کا سمجھنا دین کا علم ہے۔ دینی اعمال کی صحیح صورت صرف دور صحابہ میں ملتی ہے اس سے اپنے عمل اور علم کی مطابقت ضروری ہے۔

پھر ان ہی باتوں کو تعلیم اور تعلّم کے ذریعہ اُمتِ محمدی میں عام کرنا ضروری ہے۔ اسکے بعد یا اُسکے ساتھ ساتھ غیر کلمہ گو کو دین اسلام پیش کرنا ضروری ہے۔ امام غزالی رحمہ نے فرمایا کہ ایک آیت کا سمجھنا، پوری قرآن ایک رات میں دو مرتبہ بے سمجھے پڑھنے سے بہتر ہے۔ عصر حاضر کا حافظ قرآن توجہ کرے، حدیث "خیرکم من تعلم القرآن وعلمه"

زرکشی رحمہ اپنی کتاب برہان میں کہتے ہیں کے کبھی ایک چیز کا نزول اسکی شان بڑھانے کیلیئے اور اس کا سبب پانے جانے کی حالت میں اس پر توجہ مائل کرانے کی غرض سے دو مرتبہ ہوتا ہے۔

سورۃالفاتحۃ جب نازل ہوا تو ۸۰ ہزار فرشتے آئے۔ بیہقیؒ نے کتاب شعب میں انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ بے شک جن چیزوں کو خداوند کریم نے مجھے احسان جتا کر عطا فرمایا ہے ان میں سے ایک یہہ بھی ہے کہ خداوند کریم نے فرمایا کہ میں نے تجھ کو فاتحۃ الکتاب عطا کی ہے۔ عرش کے خزانوں کا تحفہ ہے۔

حدیث: ایک گھڑی کا سوچنا ۷۰ برس کی نفل عبادت سے افضل ہے۔

حدیث: آپ نے ارشاد فرمایا، اللہ کی ذات میں غور مت کرو، اس کی مخلوقات میں غور کرو۔ غور و فکر معرفت کی کنجی ہے۔اور مذہب معرفت خداوند ہی کا نام ہے۔ اور خدا کی قدرت کی نشانیاں معرفت الٰہی میں مددگار ہیں۔ قرآن مجید میں جا بجا سائیسی حقائق کا ذکر ہے۔ غور و فکر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عقلمند کا خطاب دیتا ہے۔ غور و فکر سے ایمان اور یقین سے اضافہ ہوتا ہے۔ غیب کے ایمان میں پختگی لانیکے لیے کائنات کی تخلیق میں غور و فکر کرنا ضروری ہے۔

قرآن کو سمجھ میں مددگار علوم

قرآن مجید سے متعلق وہ ضروری علوم جن کا علم اساتذہ سے حاصل کیے بغیر قرآن کی کامل فہم ناممکن ہے۔

(۱) علم التجوید (۲) علم الصرف (۳) علم النحو (۴) علم اللغۃ و ادب (۵) علم المعانی
(۶) علم البیان (۷) علم البدیع (۸) علم العقائد (۹) علم الفقہ (۱۰) علم الحدیث (۱۱)
علم المنطق (۱۲) علم ناسخ و منسوخ (۱۳) علم اسباب نزول (۱۴) علم التاریخ (۱۵)
علم التفسیر (۱۶) علم تصوف

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف و جملہ معاونین و اہل و عیال کو اجر کثیر سے نوازے اور اس کتاب کو ان کی میزان میں حسنات کا ذخیرہ بنادے اور اس کا نفع عام فرمادے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت کا یقین، عقل سلیم اور فکر مستقیم عطا فرمائے۔

مؤلف

قاری محمد ارشاد علی

مولوی عالم (نظامیہ) بی۔کام (عثمانیہ)

ڈی۔ یف۔ ی۔ ناگپور کالج

باہتمام

صاحبزادہ محمد طاہر علی

ISLAHI TOHFA